قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

ماہنامہ

جلد: ۷۶ شمارہ: ۸

شعبان المعظم: ۱۴۳۴ھ - جولائی: ۲۰۱۳ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زر سالانہ: ۳۵۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ "بینات" پوسٹ بکس نمبر 3485، کراچی 74800

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 7-397-101900 برانچ کوڈ: 0816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 74800

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: 34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 147 - 146 .Ext 34121152 - 34123366 - 34913570

فیکس: 34919531-21-92+

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس طابع: فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

نومنتخب وزیراعظم کی خدمت میں چند معروضات !	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

قانون کا بنیادی مقصد	۹	محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ
حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ کا.......فقہی مکالمہ	۱۴	مفتی محمد راشد ڈسکوی
اسلام میں تعلیمِ نسواں اور موجودہ مخلوط نظامِ تعلیم (دوسری قسط)	۱۶	مولانا نایاب حسن قاسمی
مختصر درود شریف میں ''تَعَالٰی'' اور ''آلِہٖ'' وغیرہ کا اضافہ	۲۱	مولانا محمد سفیان عطاء
برقی تصویر (تیسری قسط)	۲۵	مفتی شعیب عالم
قدیم اور جدید معاشی نظریات کا تعارف (دوسری قسط)	۴۰	مفتی عارف محمود
توبہ کے فوائد وثمرات	۴۹	مفتی محمد شعیب، جامعہ الصفہ

یادِ رفتگان

عالم ربانی کی رحلت	۵۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

دار الافتاء

جیلاٹن سے بنے کیپسول کا استعمال	۵۹	مولوی محمد اسد اللہ

نقد ونظر

	۶۱	ادارہ

نومنتخب وزیراعظم کی خدمت میں چند معروضات!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

۱۱رمئی ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں پاکستان مسلم لیگ (ن) قومی اسمبلی کی ۱۸۶ نشستیں لے کر پہلے نمبر پر رہی، پاکستان پیپلز پارٹی ۴۲، تحریک انصاف ۳۵، متحدہ قومی موومنٹ ۲۳، جمعیت علمائے اسلام (ف) ۱۴ اور جماعت اسلامی نے قومی اسمبلی میں صرف پانچ نشستیں حاصل کیں اور کچھ جماعتوں نے صرف ایک ایک نشست حاصل کی اور کئی ایک آزاد امیدوار بھی منتخب ہوئے، جو اَب اپنی اپنی پسند کی جماعتوں میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔

صوبائی اسمبلیوں میں سے صوبہ پنجاب میں پاکستان مسلم لیگ (ن) کو واضح دو تہائی اکثریت حاصل ہوئی۔ صوبہ سندھ میں پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کو دو تہائی سے زیادہ نشستیں ملیں۔ صوبہ خیبر پختون خواہ میں تحریک انصاف بڑی جماعت بن کر اُبھری۔ صوبہ بلوچستان میں کسی جماعت کو واضح اکثریت نہ مل سکی۔

پاکستان کے آئین کے تحت ہونے والے ان انتخابات میں حصہ لینے کے لئے ہر جماعت اپنا اپنا منشور اور ترجیحات لے کر الیکشن کے میدان میں اتری اور عوام سے ووٹ حاصل کرنے کی سعی اور کوشش کی اور عوام نے بھی اپنی پسند کی پارٹی کو ووٹ دیے، جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ لیکن سب سے مایوس کن کردار اور خراب کارکردگی ان جماعتوں کی رہی جو اپنے آپ کو دینی و مذہبی جماعتیں سمجھتی ہیں۔ اس لئے کہ جتنا محب وطن، دینی و مذہبی عوام کا ووٹ دینے والا اور ہمدرد طبقہ ہے، وہ ان جماعتوں کی باہم نااتفاقی، عدمِ اتحاد اور انتشار کی بناء پر نہ صرف یہ کہ غیر مطمئن اور پریشان

رہا، بلکہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ جماعتیں اور ان کے سربراہ جب اپنے اپنے مفادات کے حصار اور ذاتی اَنا کے خول سے ہی باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں تو وہ دین ومذہب اور قوم وملک کی کیا خدمت کریں گے؟ اس لئے یہ طبقہ ان جماعتوں سے بہت ہی ناراض نظر آتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ان جماعتوں کے سامنے آچکا ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ان جماعتوں کو ووٹ نہیں دیے، بلکہ انہوں نے بطور احتجاج اپنا ووٹ ان جماعتوں کو دیا جوان کے نزدیک قدرے بہتر پوزیشن میں تھیں۔صرف جمعیت علمائے اسلام (ف) وہ واحد جماعت ہے، جس نے اپنی ساکھ اور کارکردگی کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا، بلکہ سب طرف سے مخالفت کے باوجود پہلے سے زیادہ قومی اسمبلی میں نشستیں حاصل کیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ بعض مذہبی جماعتوں کا اس الیکشن میں حصہ لینے کا مقصد ہی یہ تھا کہ وہ فلاں مذہبی اور سیاسی جماعت کے نمائندوں کو شکست سے دوچار کرسکیں۔سادہ لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ جماعتیں ان انتخابات میں اپنے عمل سے یہ ثابت کررہی تھیں کہ چاہے ہمیں کامیابی ملے یا نہ ملے، لیکن ہماری مبغوض اور محسود جماعت کے نمائندے بھی کامیابی حاصل نہ کرسکیں۔اسی کو حسد کہا جاتا ہے اور حسد کی شناعت اور قباحت کو کون نہیں جانتا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”إیاکم والحسد، فإن الحسد یأکل الحسنات کما تأکل النار الحطب“. (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ، ص:۴۲۸)

ترجمہ:”اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ، اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاجاتا ہے، جس طرح کہ آگ سوکھی لکڑی کو کھاجاتی ہے“۔

اس لئے ان جماعتوں کے ذمہ داران، سربراہوں اور اگر ان کی کوئی شوریٰ ہے تو اس کے ارکان کو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کرنا چاہئے اور اس کبیرہ گناہ سے صدقِ دل سے توبہ کرنا چاہئے اور عوام میں عملی طور پر یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہم بے غرض وبے لوث' دین اسلام، ملک اور قوم کی خدمت پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کے لئے ہماری یہ سیاسی جدوجہد ہے۔نفس پرستی، مفاد پرستی، ذاتی اَنا اور حُبِّ جاہ وحُبِّ منصب یا دوسری سیاسی ومذہبی جماعتوں کو ناکام کرنا اور نیچا دکھانا ہمارا مقصد اور ہماری منزل نہیں، تو امید ہے کہ دینی طبقہ اور عوام کی ناراضی ان سے دور ہوجائے گی۔اس لئے ہماری رائے ہے کہ ان جماعتوں کو ٹھنڈے دل ودماغ سے بیٹھ کر سوچنا چاہئے اور ماضی سے سبق سیکھ کر آئندہ کا لائحہ عمل وضع کرنا چاہئے۔

....

چونکہ یہ واضح ہوچکا ہے کہ آئندہ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف صاحب ہوں گے اور

قارئین تک جب یہ شمارہ پہنچے گا تو اس وقت وہ وزارتِ عظمیٰ کا حلف لے چکے ہوں گے، اس لئے پیش کی گئی ان معروضات میں راقم الحروف اُن سے وزیراعظم صاحب کے لفظ سے ہی مخاطِب ہوگا۔

محترم جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پاکستان کے وزیراعظم بننے کا اعزاز بخشا ہے، اس پر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور جتنا بھی ہدیہ شکر بجالائیں، وہ کم ہے، اس لئے کہ یہ عہدہ اور منصب جس طرح ایک اعزاز ہے، اس سے زیادہ یہ ایک اہم ذمہ داری بھی ہے۔ اب اُنہیں چاہئے کہ وہ پاکستانی عوام کے لئے بہترین حاکم اور وزیراعظم بننے کی کوشش کریں۔ بہترین حاکم کیسے ہوتے ہیں؟ اس کے بارہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: خیار أئمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار أئمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم“. (مشکوٰۃ، ص:۳۱۹)

ترجمہ: ”حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور تمہارے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں“۔

یعنی مسلمانوں کا اچھا حاکم وہ ہے کہ اس کے اور رعایا کے درمیان اعتماد، یک جہتی اور الفت ومحبت کا رشتہ ہو۔ رعایا حاکم سے مخلص، اُس سے محبت اور اس کے لئے دعائیں کرتی ہو اور وہ رعایا سے مخلص، ان سے محبت اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے محنت کے ساتھ ساتھ ان کے لئے خیر کی دعائیں کرتا ہو۔ اس کے برعکس برا حاکم وہ ہے جو رعایا کو بھیڑ بکری سمجھتا ہو اور رعایا اس سے نفرت کرتی ہو۔ وہ رعایا کو برا بھلا کہتا ہو اور رعایا اس پر لعنت بھیجتی ہو۔

جب سے الیکشن ہوئے تب سے اخبارات، جرائد اور رسائل میں اخبار نویس اور دانشور حضرات، اسی طرح الیکٹرانک میڈیا پر اینکر صاحبان اپنی اپنی سوچ اور اپنی اپنی فکری سطح کے مطابق آئندہ حکومت کے لئے کرنے کے کام اور ترجیحات کو سامنے لا رہے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف بھی نئی حکومت کے لئے چند تجاویز کا تحفہ پیش کرے:

ا:...... جناب میاں نواز شریف صاحب نے انتخابات کے موقع پر اپنے جس منشور کا اعلان

کیا تھا اور قوم سے جو وعدے کیے تھے، وہ اپنی اولین فرصت میں ان کو عملی جامہ پہنانے کی سعی مشکور فرمائیں اور یہ سعی وعملی کام عوام کو ہوتا ہوا نظر بھی آئے۔

۲:...... پاکستان بالعموم اور کراچی بالخصوص ایک عرصہ سے دہشت گردی کی لپیٹ میں رہا ہے اور مذہبی طبقے کو خاص طور پر مشرف دور سے آج تک چن چن کر اور ٹارگٹ کر کے شہید کیا جارہا ہے۔ بڑے بڑے علماء کرام کو نشانہ بنایا گیا، معصوم طلبہ کو شہید کیا گیا اور ان کے علاوہ گزشتہ دورِ حکومت میں عوام، خواص، شہری، دیہاتی، بڑے، چھوٹے، مرد، عورتیں، عالم، جاہل، آجر، اجیر، تاجر، دکان دار، وکلاء، ججز، سیاستدان، صحافی، پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے وابستہ افراد اور مذہبی راہنما سب ہی تکلیف دہ کیفیت اور پریشان کن حالات سے دوچار رہے ہیں۔

گزشتہ حکومت کے پانچ سالہ دور میں صرف کراچی شہر میں سات ہزار سے زائد بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، اس لئے ہر ایک نے گزشتہ حکمرانوں کے ظلم وستم، قتل وغارت اور لوٹ مار سے تنگ آکر ان کے دورِ استبداد سے جان چھڑانے کی دعائیں کیں اور اللہ اللہ کر کے قوم کے سروں سے یہ عذاب ٹلا ہے۔ اب اگر آنے والی حکومت ان مجبور، مقہور اور مظلوم لوگوں کی اشک شوئی نہیں کرے گی اور ان کی تکلیفوں کا مداوا اور ان کے زخموں پر مرہم نہیں رکھے گی تو پھر ان مظلوموں کی دادرسی کون کرے گا؟ اس لئے ہماری عرض ہے کہ سب سے اولین ترجیح ملکی امن وامان کو قائم کرنے کو دی جائے اور خصوصاً کراچی کا امن بحال کرنے پر اپنی بھرپور توجہ مرکوز کی جائے۔

۳:......گزشتہ حکومت نے خود غرضی، لوٹ کھسوٹ اور قومی خزانہ کو نقصان پہنچانے میں اپنے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ وزیر اعظم سے لے کر ان کے بیٹوں تک، وزیر سے لے کر ایک ادنیٰ افسر تک، ہر ایک نے اپنے اپنے حصے وصول کیے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ملک میں نہ بجلی ہے اور نہ گیس۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ لوٹی گئی قومی دولت ان سے واپس لی جائے اور اس کا طریقہ کار اس طرح صاف اور شفاف بنایا جائے کہ کسی کو ذاتی انتقام کا شائبہ تک محسوس نہ ہو۔

۴:...... پرویز مشرف کی روشن خیالی اور سابقہ حکومت کی لادین عناصر کی سرپرستی نے پاکستان میں اسلام کو ایک اجنبی اور اچھنبا بنا دیا۔ جب کہا جاتا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تو بہت سوں کے چہرے اتر جاتے ہیں اور وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو کر اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے دور کی کوڑیاں لانے میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ روز روشن کی طرح حق اور سچ ہے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا إله إلا الله'' تحریک پاکستان میں بچے بچے کی زبان پر تھا اور قائد اعظم محمد علی جناح اپنی ہر تقریر میں اسی نظریہ کا اعادہ کیا کرتے تھے۔ اس لئے پاکستان کی اکثریت

آ ج بھی اسلامی نظام کی حامی ہے اور پاکستان میں اسلام کا نفاذ چاہتی ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک تاریخی فقرہ ہے، آپؓ نے فرمایا تھا: ''نحن قوم أعزنا اللّٰہ بالإسلام ''...... ''ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ساتھ عزت بخشی ہے''۔ وزیر اعظم صاحب! ہماری تمام تر عزت کا مدار دین اسلام پر ہے، دنیا وآخرت کی کامیابی وسرخروئی احکام اسلام پر پابندی میں ہے اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی احکامِ اسلام کو پسِ پشت ڈالنے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان انتخابات میں یہ قوت بخشی ہے کہ آپ مسلم لیگ کا کیا گیا پرانا وعدہ پورا کریں۔

۵:...... اسلامی نظریاتی کونسل کا ادارہ اس لئے وجود میں لایا گیا تھا کہ تمام مسالک کے علماء کرام اس پلیٹ فارم پر شرعی نظام کے نفاذ کی جو سفارشات مرتب اور پاس کر کے قومی اسمبلی کو بھیجیں گے، ان کو قانونی شکل دے کر ملک میں ان کا نفاذ کیا جائے گا۔ لیکن تاحال جو سفارشات بھی اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے قومی اسمبلی کو بھیجی گئیں، ان کو طاقِ نسیان کی نذر کیا گیا اور آج تک کسی ایک سفارش کو بھی بروئے کار نہیں لایا گیا، لہٰذا آپ ان سفارشات کی گرد جھاڑ کر ان کو قومی اسمبلی میں پیش کر کے ان پر قانون سازی کریں، تاکہ اس ادارہ کی افادیت قوم کے سامنے آسکے۔

۶:...... جناب وزیر اعظم صاحب! آپ نے گزشتہ دور میں اعلان فرمایا تھا کہ آپ سودی کھاتوں کو ختم کر کے اسلام کا معاشی نظام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم آپ کو یہ وعدہ یاد دلاتے ہیں کہ تمام سودی کھاتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نفع اور نقصان کی بنیاد پر مبنی صاف ستھرا غیر سودی نظام جاری فرمائیں، تاکہ پاکستان کی قوم سود کی لعنت سے بچ سکے۔

۷:...... وزیر اعظم صاحب! ملک پاکستان کے لاکھوں نوجوان بے روزگار ہیں، انہوں نے اپنی پڑھائی پر ایک مدت لگائی اور اس پر اُن کا کافی سرمایہ بھی خرچ ہوا، لیکن اس کے باوجود نہ اُنہیں اپنے ملک میں روزگار ملا اور نہ ہی انہیں وہ مقام اور عزت ملی جس کے حصول کے لئے انہوں نے طویل عرصہ تک محنت اور جدوجہد کی، ان کے سامنے اب سوائے لڑنے مرنے اور دنگا وفساد کے کوئی مشغلہ نہیں رہا اور غلط قسم کے لوگوں کو بھی ایسے نوجوانوں کو سبز باغ دکھا کر اپنے جال میں پھانسنے کا موقع ملا۔ ہر ایک کو معلوم ہے کہ جب ایک دفعہ یہ نوجوان ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں تو پھر ان کے لئے اس سے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حسنِ تدبیر اور حسنِ انتظام کے ساتھ قوم کے ان بے روزگار نوجوانوں کے لئے کوئی ذریعۂ معاش کی اسکیمیں بنائیں، تاکہ قوم کا یہ عظیم ترین سرمایہ ضائع ہونے سے بچ جائے اور ان کی صلاحیتیں بھی منفی راستے پر خرچ ہونے سے محفوظ ہو جائیں۔

۸:...... اور آخر میں ایک درخواست کریں گے کہ بیرونی دنیا کے طلبہ دنیوی اور عصری علوم

وفنون سیکھنے اور پڑھنے کے لئے پاکستان آنا چاہیں تو انہیں اجازت ہے اور ان کو پاکستانی سفارت خانوں سے ویزا بھی بآسانی مل جاتا ہے، لیکن کوئی بیرونی طالب علم، علم دین پڑھنے کے لئے پاکستان کے دینی مدارس میں آنا چاہے تو اس پر پابندی ہے اور ہمارے سفارت خانے اُسے پاکستان کا ویزا جاری نہیں کرتے۔ یہ پالیسی پرویز مشرف کے دور میں بنائی گئی اور ابھی تک یہی پالیسی جاری ہے۔ لہٰذا اس تفریق کو آپ ختم فرمائیں اور بیرونی دنیا کے تمام طلبہ کے لئے یکساں پالیسی اپنائیں۔ جب عصری اور فنی تعلیم کے خواہش مند افراد کو ویزے جاری کیے جاتے ہیں تو دینی تعلیم کے حصول کے خواہش منداشخاص کے لئے بھی پاکستان کے ویزے جاری فرمائیں۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم، بانئ جامعہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے حوالے سے اپنے بیانات میں فرماتے ہیں کہ حضرت بنوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ: پاکستان میں دو طبقے ایسے ہیں جو پاکستان کے مفت کے سفیر ہیں: ایک طبقہ تبلیغی جماعت ہے جو اپنے ذاتی خرچے اور ذاتی وسائل کے ذریعے بیرونی دنیا میں جاکر اللہ تعالیٰ کا دین وہاں کے لوگوں تک پہنچاتا ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاکستان کتنا اچھا ملک ہے جو اپنے لوگوں کے ذریعے ہم تک اللہ تعالیٰ کا دین پہنچاتا ہے اور دوسرا طبقہ ان طلبہ اور علماء کا ہے جو بیرونی ممالک سے آکر پاکستان کے دینی مدارس میں رہ کر علم دین حاصل کرتا اور پڑھتا ہے، یہاں سے دین پڑھنے اور سیکھنے کے بعد جب اپنے اپنے ملک میں دین کی خدمت کرتا ہے تو وہاں کے لوگ پاکستان کی تعریف کرتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ پاکستان نے ہمارے لوگوں کو عالم وفاضل بناکر ہم میں بھیجا۔ اس لئے پاکستان کے دینی مدارس میں پڑھنے کی خواہش رکھنے والے بیرونی دنیا کے ان طالب علموں، پاکستان کا وقار ومقام بلند کرنے والوں اور پاکستان کی نیک نامی کا باعث بننے والے ان دینی طالب علموں کے لئے ویزوں کا اجراء کیا جائے۔ وزیر اعظم صاحب! ان شاء اللہ! اس سے جہاں پاکستان کی عزت ووقار اور نیک نامی میں اضافہ ہوگا، وہاں آپ کو اسلام کی اشاعت کا بھی اجر ملے گا۔

بہرحال ادارہ بینات جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کو وزیر اعظم بننے پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور ان سے توقع وامید رکھتا ہے کہ وہ ان معروضات پر غور وفکر فرمائیں گے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی ضرور کوشش کریں گے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنامحمدوعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

☆☆☆

قانون کا بنیادی مقصد

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

اہم ترین مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار لانا اور انسانیت کو ظلم وجور اور بہیمیت ودرندگی کے چنگل سے نجات دلانا ہوتا ہے، لیکن اگر خود قانون کجروی اور درندگی کی آماجگاہ بن جائے، قانون ساز اداروں پر ظلم پیشہ درندوں کا تسلط ہوجائے اور وہ اپنی پست اور گھٹیا خواہشات کے مطابق اندھا دھند قانون سازی کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ قانون، حفاظتِ عدل کے بجائے ظلم وعدوان کا پشتیبان اور پاسبان بن کر رہ جائے گا۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے ضرورت ہوگی کہ ''عدل'' کا مفہوم متعین کیا جائے اور اُسے ''ظلم وعدوان'' سے ممتاز کیا جائے۔ ''عدل'' کیا ہے؟ اور ''ظلم'' کسے کہتے ہیں؟ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کے بغیر قانون کا سارا دفتر لغویت وہذیان کا پلندہ بن کر رہ جاتا ہے اور ہمیں یہ سن کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے اعلیٰ ترین مفکر اور ماہرینِ قانون ''عدل'' کا ایسا مفہوم متعین کرنے سے عاجز ہیں، جو تمام انسانیت کے لئے یکساں قابلِ قبول ہو۔

اور جو شخص یہ نہیں جان سکتا کہ ''عدل'' کیا ہے، آخر کس قانون سے اُسے قانون سازی کا حق حاصل ہے؟ ایک حق تعالیٰ ہی کی ذات ایسی ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے اور جس کی رحمت ساری انسانیت بلکہ کائنات کے لئے عام ہے، انسانوں کے کسی خاص گروہ سے اس کا مفاد وابستہ نہیں، وہی انسانیت کے لئے ''عدل'' کا ٹھیک ٹھیک مفہوم متعین کرسکتا ہے اور اسی کا نازل کردہ قانون ''قانونِ عدل'' کہلانے کا مستحق ہے۔ قانونِ الٰہی کے سوا دنیا کے خود تراشیدہ قانون نہ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرسکتے ہیں، نہ انسانیت کو ظلم وستم کے آہنی پنجے سے نجات دلا سکتے ہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ''۔ (الحدید:۲۵)

ترجمہ:...... ''ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان

کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کے ترازو کو نازل کیا، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں''۔

جرم اور سزا کے درمیان وہی رشتہ ہے جو مرض اور دوا کے درمیان ہے۔ایک ماہر طبیب مرض کی نوعیت، اس کے اسباب وعوارض اور اس کے آثار ونتائج کو سمجھتا ہے، مریض کی عادات ونفسیات کا بغور مطالعہ کرتا ہے، اس کے محلِ بود وباش اور تقاضائے سن وسال کو سوچ سمجھ کر اس کے لئے نسخہ تجویز کرتا ہے، طریقۂ استعمال بتاتا ہے، غذا و پرہیز کی بابت ہدایات دیتا ہے۔لیکن ایک عطائی کو ان چیزوں سے سروکار۔ہم نہ اہلیت، اس نے کہیں سے سن لیا کہ فلاں مرض کے لئے فلاں دوا مفید ہے، بس! وہ دوا اٹھائی اور لوگوں کو دینا شروع کردی، اس کے بعد مریض کی قسمت کہ وہ جیے یا مرے۔

انسانیت کے سب سے بڑے امراض وجرائم اور اُن کا علاج

جرائم انسانیت کے سب سے بڑے امراض ہیں اور قانون کے ذریعہ ان امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔قانون کا سب سے مشکل مرحلہ جرم اور سزا کے درمیان توازن کا قائم کرنا ہے اور ایسی ترازو دنیا کے کسی کارخانے میں تیار نہیں ہوتی، جس سے جرم کے آثار ونتائج کا وزن کرکے اس کے ہم وزن سزا تجویز کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی قانون کی تمام تر درازدستیوں کے باوجود ''مہذب ممالک'' میں گھناؤنے جرائم کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے اور جب تک دنیا اس ''انبیائی میزان'' کے مطابق جرم وسزا کا موازنہ نہیں کرتی، اُس وقت تک انسانیت پر جنگل کا قانون نافذ رہے گا اور انسانیت ظلم وعدوان کے پنجے میں سسکتی بلکتی رہے گی۔

یہی میزانِ نبوت ہمیں بتاتی ہے کہ ''زنا'' اپنے اندر تعفن اور گندگی کی کتنی مقدار رکھتا ہے اور اس کا علاج کتنے پتھروں یا کوڑوں سے ہونا چاہئے اور کسی کے مال پر ناجائز ہاتھ ڈالنا کتنا بڑا معاشرتی روگ ہے اور اس کا علاج صرف ''ہاتھ کاٹنے'' سے ہوسکتا ہے۔ جو شخص فالج کا علاج کونین سے اور موتیا بند کی تدبیر ''اسپرو'' سے کرنا چاہتا ہے، وہ جاہل' مریض کا دوست نہیں دشمن ہے اور جو شخص قتل کا علاج اتنے سال کی قید سے اور ڈکیتی کا علاج اتنے ماہ کی قید سے کرنا چاہتا ہے، وہ قانون ساز نہیں، انسانیت کا قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مہذب ممالک کے جیل خانے جرائم کی تربیت گاہ بن کر رہ گئے ہیں۔ مجرم جب سزا کاٹ کر واپس آتے ہیں تو مرضِ جرم سے شفایاب ہوکر نہیں نکلتے، بلکہ عادی مجرم بن کر آتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ

اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا کامل ومکمل آخری قانون

خدائے برتر کا آخری قانون اپنی جامع اور کامل ترین صورت میں حضرت خاتم النبیین محمد

رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، اس نے انسانیت کے لئے عدل وانصاف، مودت ورحمت، ہمدردی وخیر خواہی، اُخوت ومواسات اور سکون واطمینان کی وہ فضا پیدا کی، جس کی مثال چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ ایک ایسا خود کار نظام تھا جس کی بدولت اول تو جرائم کی تعداد گھٹتے گھٹتے صفر کے نقطہ تک پہنچ گئی تھی اور کبھی سہو یا بشریت کی بنا پر کوئی جرم کسی سے صادر ہو ہی جاتا تو مجرم خود ہی ''طَهِّرْنِيْ يَارَسُوْلَ اللهِ!'' (یارسول اللہ! مجھے سزا دے کر پاک کردیجئے!) کا نعرہ لگاتے ہوئے عدالت کے کٹہرے میں حاضر ہوتا، اور جب تک عدالتِ نبوت اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دیتی، اس کے ضمیر کی خلش، ایمان کی حرارت اور محاسبۂ آخرت کی فکر اُسے مسلسل بے چین کئے رکھتی۔ نہ کسی کو کسی سے شکایت، نہ کوئی طبقاتی مسئلہ، نہ کوئی اقتصادی الجھن، نہ کوئی سیاسی آویزش۔ کیا آج کا ترقی یافتہ، لیکن بے حد مظلوم انسان اس کا تصور بھی کرسکتا ہے؟ یہ تھی اسلامی شریعت! جس نے دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

''قَدْ جِئْتُكُمْ بِالسَّمْحَةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ''۔

ترجمہ:...... ''میں تمہارے پاس ایسی آسان اور روشن شریعت لایا ہوں، جس کے رات دن یکساں روشن ہیں''۔

پاکستان اس مقصد کے لئے معرض وجود میں آیا تھا کہ اُسے ''دار الأمن والإیمان ومهد السلامة والإسلام'' ایمان واسلام کا گھر اور امن وسلامتی کا گہوارہ بنایا جائے گا۔ ''لا إله إلا الله'' کا واسطہ دے کر ہم نے خدا اور رسول سے، نیز دس کروڑ مسلمانوں سے عہد کیا تھا کہ اس ''مملکتِ خداداد'' کا آئین اسلام ہوگا، ہماری اجتماعی زندگی کا ایک ایک شعبہ اسلام کے زیر نگیں ہوگا، ہم اپنے سفر حیات کی ایک ایک لائن کو شریعت محمدیہ کے صراط مستقیم پر لائیں گے اور آج کی دکھ بھری دنیا کو بتائیں گے کہ تم جس متاعِ گم گشتہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہو، وہ حضرت محمد ﷺ کے نقش قدم کی پیروی سے آج بھی مل سکتی ہے۔

اگر ہمارے اربابِ اقتدار نفاق ورزی سے کام نہ لیتے اور امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ خدا ورسول کو بھی صرف وعدوں اور لیکچروں سے نہ بہلاتے تو یہ ملک واقعۃً اسلام اور سلامتی کا گہوارہ اور پوری دنیا کے لئے مثالی نمونہ ہوتا، پاکستان کی اعلیٰ قیادت ایک نئی دنیا کی معمار ہوتی اور آج عالمِ اسلام کا نقشہ یقیناً کچھ اور ہوتا۔ مگر یہاں بائیس سال سے جو کچھ ہوا اور اس کی جو قیمت پوری قوم کو ادا کرنا پڑی اور ہم اس کے نتیجہ میں جو خود غرضی، افراتفری، افتراق وانتشار اور ذلت ونکبت کا شکار ہوئے، اس کا تذکرہ رنج والم اور ندامت وخجالت کا موجب ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت کا خواب اسی

وقت شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے، جبکہ یہاں اسلامی آئین نافذ ہو اور اسلامی شریعت اور خدائی قانون کو زندگی کے تمام شعبوں میں جاری کیا جائے، عدلیہ میں قرآن وسنت اور فقہِ اسلامی کے مطابق فیصلے کئے جائیں، حدود اللہ کا اجراء کیا جائے۔ اسلامی قانون، کتاب وسنت اور فقہ اسلامی میں مدون ومرتب موجود ہے، صدیوں اس پر عمل ہوتا رہا ہے، وہ آج بھی نافذ کیا جاسکتا ہے۔

کسی ملک کے دار الاسلام بننے کا مدار کس چیز پر ہے؟

تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کسی خطۂ زمین کے دار الاسلام بننے کا مدار اس بات پر نہیں کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب کیا ہے، بلکہ اس کا مدار قانونِ اسلام کے نفاذ پر ہے۔ جس ملک میں برسرِ اقتدار طبقہ کی جانب سے عوام کو اسلامی قانون کے فیوض وبرکات سے مستفید ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے، جہاں کفر اور جاہلیت کا آئین وقانون مسلط ہو اور جہاں کے بے بس عوام مسلسل احتجاج کے باوجود خدائی قانون کے بجائے طاغوتی قانون کے مطابق اپنے مقدمات فیصل کرانے پر مجبور ہوں، اُسے ہزار بار مسلمانوں کا ملک کہہ لیجئے، لیکن اسے حقیقی معنیٰ میں اسلامی مملکت اور دار الاسلام کہتے ہوئے حیا آتی ہے۔ ''اسلام کے گھر'' میں بھی اگر اسلام کو قدم ٹکانے کی اجازت نہ ہو تو وہ مسلمانوں کا گھر تو ہوسکتا ہے، لیکن کیا دنیا کا کوئی عقلمند اُسے ''اسلام کا گھر'' مان لے گا؟ پاکستان اگر واقعی ''دار الاسلام'' اسلام کا گھر ہے تو یہاں کے دس گیارہ کروڑ فرزندانِ اسلام اور اس کے قائدین سے اپیل بے جا نہ ہوگی کہ خدا کے لئے اس گھر میں اسلام کو قدم رکھنے کی جگہ دیجئے اور اُسے اپنے گھر کی اصلاح کرنے دیجئے۔

اسلام کیا ہے؟

بعض حضرات کی زبانِ فیض ترجمان سے ''اسلامی اقدار''، ''اسلامی اصول''، ''اسلامی نظریۂ حیات'' اور ''اسلامی مساوات'' جیسے مبہم الفاظ وقتاً فوقتاً سننے میں آتے ہیں۔ یہ تعبیر بڑی غلط فہمی اور تلبیس کا موجب ہوسکتی ہے۔ اسلام صرف چند مبہم اصولوں یا اعلیٰ اخلاقی قدروں کا نام نہیں، بلکہ وہ عقائد، عبادات، معاملات، تعزیرات اور اخلاق کے تفصیلی قوانین کا مجموعہ ہے۔ اسلام اگر زنا، چوری، ڈکیتی، قتل، شراب نوشی جیسی گھناؤنی حرکات کو جرائم قرار دیتا ہے تو ان کے انسداد کے لئے ایک مفصل تعزیراتی نظام بھی دیتا ہے۔ وہ جہاں معاشی تحفظ کا وعدہ دیتا ہے، وہاں اقتصاد ومعاش کی جائز اور ناجائز صورتیں بھی بتاتا ہے۔ اگر وہ معاملات میں عدلِ اجتماعی پر زور دیتا ہے تو اس کے لئے ایک دیوانی قانون بھی رکھتا ہے۔ اگر وہ اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری لیتا ہے تو اس کے لئے ایک کامل نظامِ ہدایت بھی دیتا ہے۔ الغرض زندگی کا کون سا گوشہ ہے، جس کے لئے اسلام

نے تفصیلی قوانین وضع نہ کئے ہوں۔''دارالاسلام'' وہی ہوسکتا ہے اور اسلامی مملکت وہی ہوسکتی ہے جہاں اسلام کی ہمہ گیر فرمانروائی ہو اور جہاں اسلام کے وہ تمام احکام وقوانین جاری ہوں جن کی تفصیلات کتاب وسنت اور فقہِ اسلامی میں موجود ہیں اور جن پر آنحضرت ﷺ کے عہد سے لے کر زوالِ خلافت کے آخری دور تک عمل ہوتا رہا ہے۔ جولوگ ''اسلام'' کا نام لیتے ہوئے شرماتے ہیں اور صرف اسلامی اصول اور اسلامی مساوات جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، ان کے بارے میں یہ اندیشہ غلط نہیں کہ وہ اسلام کے نام پر ''جاہلیت جدیدہ'' لانا چاہتے ہیں۔

یکم جنوری سے شروع ہونے والا نیا سال ملک میں نئے انقلاب اور نئی تبدیلیوں کا پیغام لارہا ہے۔ پردۂ غیب سے کیا کچھ طلوع ہوگا؟ اس کا ٹھیک علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، تاہم حالات کی نزاکت بتاتی ہے کہ اس موقع پر ادنیٰ غفلت اور معمولی لغزش بے حد تباہ کن اور سنگین نتائج کی حامل ہوگی۔ اس لئے ضروری ہے کہ قوم کا ایک ایک فرد یہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے کہ مجھے کل اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔ اگر خدانخواستہ وقت کی نزاکت کا صحیح احساس نہ کیا گیا اور جس مقصد کی خاطر پاکستان بنا تھا، اُسے پس منظر میں ڈال دیا گیا تو اس کا خمیازہ پوری قوم کو دنیا وآخرت میں بھگتنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری مارشل لاء حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ موجودہ حکومت کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ اس نے قوم کے تمام طبقات کے لئے اطمینان بخش پالیسی اختیار کی ہے، اسے اس سے آگے بڑھ کر ایسی پالیسی بھی اختیار کرنی چاہئے، جس سے اللہ اور رسول خوش ہوجائیں اور ایسے اقدامات بھی کرنے چاہئیں جس سے اسلامی نظام کے قیام کے امکانات روشن ہوں اور حکومت کو رضائے خداوندی کا تمغہ ملے۔ دوسری ذمہ داری طبقۂ علماء پر عائد ہوتی ہے کہ تمام نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر کامل یکسوئی، جانفشانی اور للّٰہیت کے ساتھ قوم کا ذہن اسلام کے سایۂ رحمت کے لئے تیار کریں۔ تیسری ذمہ داری قوم کے قائدین اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ فروعی اور علاقائی نعروں کو چھوڑ کر صرف اسلام کے لئے کام کریں۔ سب سے آخری اور عظیم ذمہ داری مسلم عوام پر عائد ہوتی ہے کہ وہ صرف اسلام کے لئے اپنا ''حق رائے دہی'' استعمال کریں۔ یہ گزارشات نہایت اختصار کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اے اللہ! ہماری حالتِ زار پر رحم فرما اور ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو اور ہمیں ایسی حرکات سے بچائیو، جو دنیا وآخرت میں تیرے غضب کا موجب ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ صفوة البریة محمد و آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

حضرت سہارنپوریؒ اور حضرت تھانویؒ کا ایک دلچسپ فقہی مکالمہ

مفتی محمد راشد ڈسکوی
استاذ ورفیق شعبہ تصنیف وتالیف، جامعہ فاروقیہ، کراچی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ایک سفر میں ساتھ تھے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کے کچھ اصول مقرر تھے، مگر مستثنیات بھی تھے۔ (یعنی کچھ خاص افراد ایسے بھی ہوتے تھے جن سے ہدیہ وصول کرتے وقت ان اصولوں کی رعایت نہیں رکھی جاتی تھی۔)

ایک شخص نے اس سفر میں حضرت تھانویؒ کو ایک گھڑی ہدیہ میں پیش کی، حضرتؒ نے قبول فرمالی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے بعد میں ارشاد فرمایا کہ: اگر یہ گھڑی ضرورت سے زائد ہو تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کردیں۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ”میں بھی آپ کا اور گھڑی بھی آپ کی، یوں ہی لے لیجئے“۔

اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ: ”میں ابتدا خریدنے کی کرچکا ہوں، اس لئے اب ہدیہ نہیں ہوسکتا، ہدیہ تو ابتداءً ہوتا ہے“۔ بالآخر کچھ گفتگو کے بعد معاملہ طے ہوگیا اور حضرت سہارنپوریؒ نے گھڑی خرید لی۔ جب اُس مُہدِی (ہدیہ دینے والے) کو اِس واقعہ کا علم ہوا، تو اس کو گرانی ہوئی۔ تو حضرت تھانویؒ نے حضرت سہارنپوریؒ سے فرمایا کہ وہ گھڑی واپس کردیں۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ کیا خیارِ شرط تھا، جو واپس کروں؟ (خیار شرط کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خریدنے والا شرط لگائے کہ تین دن تک مجھے لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا، جی چاہے گا تو لے لیں گے، ورنہ لوٹا دیں گے۔ اسی بیچنے والے کو بھی اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ تین دن تک مجھے بیچنے یا نہ بیچنے کا اختیار ہے، جی چاہا تو بیچ دیں گے، وگرنہ واپس لے لیں گے۔ اس میں تین دن سے زیادہ کی شرط لگانا درست نہیں ہوتا۔)

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ خیارِ شرط تو نہ تھا، مگر ہدیہ دینے والے کو اس فروخت کردینے سے گرانی ہورہی ہے، اس لئے واپسی کا مطالبہ کررہا ہوں۔ (یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ میں ملی ہوئی چیز کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے فروخت کردینے کو ہدیہ دینے والا اچھا نہیں سمجھے گا، تو اس چیز کو بیچنا نہیں چاہئے)

اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ (فروخت کرتے وقت) ہدیہ دینے والے کی رضا کو تو شرط قرار نہیں دیا گیا تھا، ہمارے درمیان تو بیع کی بات ہوئی تھی۔ (یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بیع میں یہ شرط ٹھہرائی جائے کہ ''اگر ہدیہ دینے والے کو اس چیز کے فروخت ہو جانے پر تکلیف ہوئی تو اس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا'' تو اس بیع کو فسخ کرنا درست ہے، ورنہ نہیں)

تب حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ: اچھا تو اقالہ کر لیجئے۔ (اقالہ کہتے ہیں بیع یعنی خرید و فروخت والے معاملے کو ختم اور فسخ کرنے کو)

حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ: اقالہ کی صحت کے لئے طرفین کی رضامندی شرط ہے اور میں تو اقالہ پر راضی نہیں ہوں۔ (اقالہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں اس معاملے کو ختم کرنے پر راضی ہوں۔ اگر ایک راضی ہوا اور دوسرا راضی نہ ہوا تو شرعاً اقالہ صحیح نہ ہوگا)

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آپ میرے بڑے ہیں اور چھوٹوں کی خاطر بڑے راضی ہو ہی جایا کرتے ہیں، آپ بھی راضی ہو جایئے۔

اس پر حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ میں ضرور راضی ہو جاتا، مگر میں نے وہ گھڑی اپنے لئے نہیں خریدی تھی، بلکہ میرے ایک دوست ہیں، ان کے واسطے ان کی نیت سے خریدی ہے، میں ان کی طرف سے وکیل بالشراء تھا، چناں چہ شراء (خریداری) پر توکیل پوری ہوگئی، اب مجھے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں رہا، اس لئے کہ وکیل کو اس کام کے انجام دینے کے بعد جس کا اس کو وکیل بنایا گیا تھا، تصرف کرنے کا حق نہیں رہتا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ وکیل جب اپنے مؤکل کے لئے کوئی چیز خرید لے تو اس خریدنے کے بعد وہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا)

پھر کسی اور مجلس میں جس میں وہ مُہدِی بھی موجود تھے، حضرت سہارنپوریؒ نے وہ گھڑی حضرت تھانویؒ کو دے دی۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس وقت تو ایسا فرما رہے تھے، اب کیا ہوا؟ تو فرمایا کہ معاملہ تو اسی طرح ہے جس طرح میں نے بتایا تھا، مگر مجھے اپنے دوست پر اعتماد ہے، مجھے اطمینان ہے کہ میرے اس تصرف سے انہیں گرانی نہیں ہوگی۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وکیل بنانے والا ایسا فرد ہو جس نے وکیل کو اختیارِ کامل دیا ہو کہ جیسے مناسب سمجھو تصرف کرو تو پھر اس طرح کے تصرفات کرنے کی اجازت ہوگی)

اپنے اکابرین کی اس دور اندیشی اور شریعت کی پاسداری کو دیکھتے ہوئے ہمیں بھی اس بات کا عزم کرنا چاہئے کہ ہم بھی اپنے ہر طرح کے کاموں میں شریعت کی حدود و قیود کا لحاظ رکھیں گے۔ اس کے لئے جہاں علمِ دین کے حصول کی ضرورت پڑے گی، وہاں ان اکابرین کی سوانح کا مطالعہ بھی کرنا ہوگا، تا کہ ہر دینی و دنیوی معاملے میں شریعت کی پاسداری کا اہتمام کرنے میں راہنمائی ملتی رہے۔

☆☆☆

اسلام میں تعلیمِ نسواں

اور موجودہ مخلوط نظامِ تعلیم (دوسری اور آخری قسط)

مولانا نایاب حسن قاسمی
شیخ الہندؒ اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

مخلوط تعلیم کا دوسرا پہلو

مخلوط تعلیم کا دوسرا پہلو لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترک تعلیم گاہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ ابتدائی عمر، جس میں بچے صنفی جذبات سے عاری ہوتے ہیں اور ان میں ایسے احساسات پیدا نہیں ہوتے، مخلوط تعلیم کی گنجائش ہے۔ اسی لئے اسلام نے بے شعور بچوں کو غیر محرم عورتوں کے پاس آمد و رفت کی اجازت دی ہے اور قرآن مقدس نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے،(۱) لیکن جب بچوں میں جنسی شعور پیدا ہونے لگے اور ایک حد تک بھی (کلی طور پر نہ سہی) ان میں صنفی جذبات کی پہچان ہو جائے تو ایک ساتھ ان کی تعلیم آگ اور بارود کو ایک جگہ جمع کرنے کی مانند ہے اور اس کا اعتراف (گو دیر سے سہی) آج یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے ماہرین نفسیات (Psychlogy) وحیاتیات بشری (Humanbiology) کرر ہے ہیں، چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ عورت اور مرد میں کششِ جنسی بالکل طبعی اور فطری ہے اور دونوں جب باہم ملیں گے اور کوئی مانع نہیں ہوگا، تو رگڑ سے یکبارگی بجلی کا پیدا ہو جانا یقینی ہے۔

اور اسلام کا نقطۂ نظر اس حوالے سے بالکل واضح، بے غبار، ٹھوس اور سخت ہے کہ ایک مرد یا عورت کے لئے کسی غیر محرم کے ساتھ مل بیٹھنا تو کجا، ایک دوسرے کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی قطعاً گنجائش نہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے تاریخی سفرِ حج میں فضل بن عباسؓ آپ ﷺ کے ساتھ اونٹنی پر سوار ہیں، قبیلۂ ''بنوخثعم'' کی ایک لڑکی ایک شرعی مسئلے کی دریافت کے لئے آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور فضل بن عباسؓ کی نگاہ اچانک اس لڑکی پر پڑ جاتی ہے، تو نبی پاک ﷺ فوراً اُن کا رخ پھیر دیتے ہیں۔

جلیل القدر صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں:

''سألت رسول الله ﷺ عن نظر الفجاءة فقال: ''اصرف بصرك''. (۲)

حضرت علیؓ بن ابی طالب سے آپ ﷺ نے فرمایا:

"یـاعـلـی ! لا تتبع الـنـظـرة الـنـظـرة ،فـإن لـک الأولـی ، ولیست لـک الآخرة". (۳)

مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی آپ ﷺ نے ممانعتی حکم جاری فرمایا، چنانچہ ایک دفعہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ (بعض روایات کے مطابق حضرت عائشہؓ) حضور ﷺ کے پاس موجود تھیں، اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو! تو حضرت ام سلمہؓ نے قدرے تحیر زدہ ہوکر کہا: ''یہ تو نابینا ہیں! نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نا ہی پہچان سکتے ہیں'' تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم اُنہیں نہیں دیکھ رہیں؟''۔ (۴)

پھر اسلام کا یہ نظریہ کسی خاص شعبۂ حیات سے متعلق نہیں، بلکہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد سے تا حیات اس کا یہی حکم ہے، چنانچہ جب ہم اہلِ علم خواتین اسلام کی تاریخ اور ان کی تعلیم و تربیت کے طریقوں کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے عہدِ میمون میں خود آپ ﷺ اس بات کا غایت درجہ اہتمام فرماتے کہ لڑکوں اور لڑکیوں میں اختلاط کی کیفیت پیدا نہ ہونے پائے، تاکہ یہ شیطان کی طرف سے کسی غلط کاری کی تحریک کا باعث نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ:

''حضور ﷺ مردوں کی صف سے نکلے اور حضرت بلالؓ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ آپؐ کی آواز عورتوں تک نہیں پہنچی، تو آپ ﷺ عورتوں کی صف تک تشریف لے گئے، اُنہیں نصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا، تو کوئی عورت اپنی بالی پھینکنے لگی اور کوئی انگوٹھی اور حضرت بلالؓ اپنی چادر میں اُنہیں سمیٹنے لگے''۔ (۵)

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مردوں اور عورتوں کو خلط ملط دیکھا، تو عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''پیچھے ہٹ جاؤ! تمہارا بیچ راستے پر چلنا مناسب نہیں، لبِ راہ چلا کرو!''۔ (۶)

آپ ﷺ کے بعد کے ادوار میں بھی عورتوں کی تعلیم و تربیت کے تعلق سے عدم اختلاط کا خصوصی اہتمام رہا، چنانچہ حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ قرنِ اول اور اس کے بعد طالبات کے تعلیمی اسفار اور ان کے طریقۂ تعلیم و تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''عام طور سے ان تعلیمی اسفار میں طالبات کی صنفی حیثیت کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا اور ان کی راحت و حفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا۔ خاندان اور رشتہ کے ذمہ داران کے ساتھ ہوتے تھے، امام سہمیؒ نے ''تاریخ جرجان'' میں فاطمہ بنت ابی عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن طلقی جرجانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ: ''میں نے فاطمہ کو اس زمانے میں دیکھا ہے، جب ان کے والدان کو اٹھا کر امام ابواحمد بن عدی جرجانیؒ کی خدمت میں لے جاتے تھے اور وہ ان سے حدیث کا سماع کرتی تھیں''، فاطمہ بنت محمد بن علی لخمیہؒ اندلس کے مشہور محدث ابو محمد باجی اشبیلیؒ کی بہن تھیں، انہوں نے اپنے بھائی ابو محمد باجیؒ کے ساتھ رہ کر طالب علمی کی اور دونوں نے ایک ساتھ بعض شیوخ واساتذہ سے اجازتِ حدیث حاصل کی''۔ (۷) آگے لکھتے ہیں:

''ان محدثات وطالبات کی درس گاہوں میں مخصوص جگہ ہوتی تھی، جس میں وہ مردوں سے الگ رہ کر سماع کرتی تھیں اور طلبہ وطالبات میں اختلاط نہیں ہوتا تھا''۔ (۸)

ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے جہاں عورتوں کو تعلیم وتربیت کے حصول کی پوری آزادی بخشی ہے، وہیں اس کے نزدیک مرد وعورت کے درمیان اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ دونوں کے لئے علیحدہ تعلیم گاہ ہونی چاہئے، جہاں وہ یک سوئی اور سکونِ خاطر کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکیں، اور ہر نوع کے ممکن فتنے کا سدِّ باب ہوسکے۔ خاص طور سے موجودہ دور میں جب کہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک مخلوط تعلیم کی فحش کاریاں اورزیاں کاریاں ظاہر وباہر ہوچکی ہیں اور خود یورپ وامریکہ کی تعلیم گاہوں کے ماہرینِ تعلیم وسماجیات وعمرانیات کی رپورٹس اس کا بین ثبوت ہیں، چنانچہ مشہور فرانسیسی عالمِ عمرانیات ''پول بیورو''(POULBUREOU) اپنی کتاب (TOWARDSMORAL BANKRUPTCY) میں لکھتا ہے کہ: ''فرانس کے متوسط طبقے کی تعلیم یافتہ لڑکیاں، جو کسی فرم میں کام کرتی ہیں اور شائستہ سوسائٹی میں اٹھتی بیٹھتی ہیں، ان کے لئے کسی اجنبی لڑکے سے مانوس ہوجانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے، اول اول اس طرزِ معاشرت کو معیوب سمجھا گیا، مگر اب یہ اونچے طبقے میں بھی عام ہوگیا ہے اور اجتماعی زندگی میں اس نے وہی جگہ حاصل کرلی ہے، جو کبھی نکاح کی تھی''۔ (۹)

امریکہ کی تعلیم گاہوں کے نوجوان طبقہ کے بارے میں جج ''بن لنڈسے''(BENLINDSEY) جس کو ڈنور (DENVER) کی عدالت جرائم اطفال (JUENTLECOURT) کا صدر ہونے کی حیثیت سے امریکہ کے نوجوانوں کی حالت سے واقف ہونے کا بہت زیادہ موقع ملا، اپنی کتاب (REVOLM OF MODERN YOUTH) میں لکھتا ہے کہ: ''امریکہ میں ہائی اسکول کی کم از کم ۴۵ رفیصد لڑکیاں اسکول سے الگ ہونے سے پہلے خراب ہوچکتی ہیں اور بعد کے تعلیمی مدارج میں اوسط اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لڑکیاں خود ان لڑکوں سے اس چیز کے لئے اصرار کرتی ہیں، جن کے ساتھ وہ تفریحی مشاغل کے لئے جاتی ہیں اور اس قسم کے ہیجانات کی طلب ان میں لڑکوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، اگرچہ زنانہ فطرت ان اقدامات پر فریب کاری کے پردے ڈالتی ہے''۔ (۱۰)

انگلینڈ کے مرکزی شہر لندن (جو تہذیبِ جدید کا آئینہ دار ہے، اسی آئینے میں اس کی تمام تر گل کاریوں کا عکسِ قبیح نظر آتا ہے) کی ''غیر شادی شدہ ماؤں اور ان کے بچوں کی نویں کونسل'' سے خطاب کرتے ہوئے انگلینڈ کی مشہور مصنفہ ''مس مارگا نتالاسکی'' یہ دھماکہ خیز انکشاف کرتی ہے کہ: ''انگلستان کی تقریباً ۷۰ رفیصد لڑکیاں شادی سے قبل ہی اپنے دوستوں سے جنسی تعلقات قائم کرلیتی ہیں اور ۳۳ رفیصد لڑکیاں شادی سے قبل ہی حاملہ ہوجاتی ہیں''۔ (۱۱)

لندن کے ایک سماجی کارکن (SOCILWORKER) نے اپنی مطالعاتی رپورٹ میں

وہاں کی مخلوط تعلیم گاہوں کی صنفی آوارگی اور جنسی انارکی (ANARCHY) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''اسکول میں آج کل چودہ برس کے لڑکے اور لڑکیاں عام طور پر مانع حمل اشیاء اپنے اپنے بیگ میں لئے پھرتے ہیں کہ جانے کب کہاں ضرورت پڑ جائے؟ اس معاملے میں وہ اپنے ماں باپ سے کہیں زیادہ ہوشیار ہیں''۔ (۱۲)

خیر! یہ تو نافِ تمدن اور مرکزِ تہذیب کی بات ہے، خود مشرق میں بھی (جس کے رگ وپے میں گویا خوانِ مغرب کی زلہ خواری سرایت کر چکی ہے اور مغرب کی ''عطا کردہ'' ہر ''عنایتِ خاصہ'' کا والہانہ استقبال کرنا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لینا اس کی جبلت بن چکا ہے اور جس کے فرزندوں میں مستغربین کی ٹولی کی ٹولی جنم لے رہی ہے) مخلوط تعلیم کے انتہائی مضرت رساں نتائج مشاہدے میں آرہے ہیں، بلکہ صورتِ حال تو یہ ہو چکی ہے کہ ۔

مے خانہ نے رنگ وروپ بدلا ایسا
مے کش مے کش رہا نہ ساقی ساقی

غور کیجئے! کہ مخلوط تعلیم گاہوں میں جہاں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ تعلیم حاصل کررہے ہوں، پھر دونوں کی نشست گاہیں بھی ایک ساتھ ہوں اور ان سب پر طرفہ یہ کہ عریاں و نیم عریاں بازو، لب ہائے گلگوں، چمکتے ہوئے عارض، چشم ہائے نیم باز، بکھری ہوئی زلفیں، بلکہ سارا سراپا ''أنا البرق'' کا منظر پیش کررہا ہو، تو کیا فریقِ مقابل اپنے ذوقِ دید اور شوقِ نظارہ کو صبر وشکیبائی کا رہین رکھے گا یا بے تابانہ اپنی نگاہوں کی تشنگی دور کرنے کی سوچے گا؟ پھر جب جمالِ جہاں آراء پوری تابانیوں کے ساتھ دعوتِ نظارہ دے رہا ہو، تو اس کی دید کی پیاس بجھے گی کیوں؟ وہ تو اور تیز تر ہو جائے گی اور جام پر جام چڑھائے جانے کے باوصف اس کا شوقِ دیدار ''هل من مزيد'' کی صدائے مسلسل لگائے گا۔

ساقی جو دیئے جائے یہ کہہ کر کہ پیے جا
تو میں بھی پیے جاؤں یہ کہہ کر کہ دیئے جا

اور شیطان ایسے موقعوں پر کبھی نہیں چوکتا، جب اس کا شکار پوری طرح اس کے قبضے میں آجائے، چنانچہ معاملہ صرف دید ہی تک محدود رہ جائے، یہ ناممکن ہے، اس سے بھی آگے بڑھ کر گفت وشنید تک پہنچتا ہے، پھر بوس وکنار اور ہم آغوش ہونے اور بالآخر وہاں تک پہنچ کر دم لیتا ہے، جس کے بیان سے ناطقہ سر بہ گریباں اور خامہ انگشت بہ دنداں ہے اور اس قسم کے حادثات کوئی ضروری نہیں کہ یونیورسٹیز اور کالجز کے احاطوں ہی میں رونما ہوں، بلکہ رسل ورسائل اور آئے دن کے مشاہدات یہ ثابت کرتے ہیں کہ کالجز کے کلاس روم، شہروں کے پارک اور پبلک مقامات تک کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

پس چہ باید کرد؟

ایسے پرآشوب اور ہلاکت خیز ماحول میں بھی اگر ہوش کے ناخن نہ لئے گئے، اورلڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کوبھی ''مثقف'' اور''روشن خیال'' بنانے کا مخلوط طریقہ کاریوں ہی برقرار رہا تو ہر نیا طلوع ہونے والا سورج بنتِ حوا کی عزت وناموس کی پامالی کی خبر نولے کر آئے گا اور پھر دنیا بہ چشمِ عبرت نگاہ دیکھے گی کہ وہ مقامات، جو انسان کو تہذیب وشائستگی اور انسانیت کا درس دینے، قوم و وطن کے جاں سپار خادم اور معاشرے کے معزز وکامیاب افراد تیار کرنے کے لئے منتخب کئے گئے تھے، محض حیوانیت وبہیمیت اورشہوت رانی وہوس کاری کے اڈے بن کر رہ گئے۔(**لاقدر الله ذلک**)

خواتین کو تعلیم دی جائے، اسلام قطعاً اس کی مخالفت نہیں کرتا، بلکہ وہ تو اس کی حد درجہ تاکید کرتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں اشارات دیئے گئے، لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان کی تعلیم وہی ہو، جو ان کی فطرت، ان کی لیاقت اور ان کی قوتِ فکر وادراک کے مناسب ہو اور ان کی عفت کی حفاظت میں ممد ومعاون ہو، نہ کہ ایسی تعلیم، جو اُنہیں زمرۂ نسواں ہی سے خارج کردے اور شیاطین الانس کی درندگی کی بھینٹ چڑھادے، اللہ تعالیٰ سوددوزیاں کے صحیح فہم کی توفیق بخشے۔(آمین)

حوالہ جات

۱:......النورآیت:۵۸

۲:......سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب مایؤمر من غض البصر، ج:۱،ص:۲۹۲،صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب نظر الفجاءۃ، ج:۲،ص:۲۱۲۔

۳:......سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب مایؤمر من غض البصر، ج:۱،ص:۲۹۲۔

۴:......سنن ترمذی، ابواب الاستیذان والادب، باب ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال، ج:۲،ص:۱۰۶۔

۵:......صحیح بخاری، کتاب العلم، باب عظۃ النساء وتعلیمھن، ج:۱،ص:۲۰۔صحیح مسلم، کتاب صلوۃ العیدین، فصل فی الصلوۃ قبل الخطبۃ، ج:۱،ص:۲۸۹۔

۶:......سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی مشی النساء فی الطریق، ج:۲،ص:۷۱۴۔

۷:......خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات، قاضی اطہر مبارکپوری،ص:۲۳ تاریخ جرجان، امام سہمی،ص:۴۶۳۔

۸:......خواتینِ اسلام کی دینی وعلمی خدمات، قاضی اطہر مبارکپوری،ص:۳۳۔

۹:...... پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ،ص:۵۴۔

۱۰:......فریبِ تمدن، اکرام اللہ ایم اے،ص:۱۵۸، افکارِ عالم، اسیرادروی، ج:۱،ص:۲۲۶۔

۱۱:......صدقِ جدید، عبدالماجد دریابادیؒ، ۲۶/دسمبر ۱۹۶۰ء۔فریبِ تمدن، اکرام اللہ ایم اے،ص:۱۸۷۔افکارِ عالم، اسیرادروی ج:۱،ص:۲۲۸۔

۱۲:......صدق جدید، عبدالماجد دریابادیؒ، ۶/جنوری ۱۹۵۶ء۔فریبِ تمدن، اکرام اللہ ایم اے،ص:۱۸۹، افکارِ عالم، اسیرادروی، ج:۱،ص:۲۲۹۔

☆☆☆

مختصر درود شریف میں ’’تعالیٰ‘‘ اور ’’آلہٖ‘‘ وغیرہ کا اضافہ بھی درست ہے

مولانا محمد سفیان عطاء
مدرسہ عثمان بن عفانؓ، ڈیرہ غازی خان

ماہنامہ ’’بینات‘‘ کے شمارہ بابت ماہ ربیع الاول ۱۴۳۴ھ میں جناب ابوطلحہ صاحب کا مضمون پڑھنے کا موقع ملا، اس مضمون کے جو اہم فوائد راقم کی نظر میں آئے، وہ درج ذیل ہیں اور پھر اُن پر مختصر تبصرہ کیا جائے گا۔

فائدہ:۱......صرف ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ مسنون ہے۔

فائدہ:۲......ان میں ’’آلہٖ‘‘ ’’تعالیٰ‘‘ اور ’’علیٰ آلہٖ‘‘ کا اضافہ خلافِ سنت اور اسلاف کے عمل کے خلاف ہے۔

فائدہ:۳......ان میں کمی بیشی کسی طور پر درست نہیں، نہ کسی کو حق ہے۔

فائدہ:۴......سیرت، مغازی، حدیث اور تفسیر کی تمام کتب میں ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ مکتوب ہے۔

فائدہ:۵......’’آلہٖ‘‘ کا اضافہ شیعوں سے مستفاد معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ:۶......’’صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم‘‘ میں ’’آلہٖ‘‘ کا کلمہ خلافِ قواعدِ نحو یہ ہے۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ تنقیح کر لینی چاہئے کہ صحاح ستہ و دیگر کتب میں جو دعائیہ کلمات جیسے ’’رضی اللہ عنہ‘‘، ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘ موجود ہیں، ان کی نسبت مؤلفین کی طرف کرنی درست ہے یا نہیں؟ ہماری نظر اس نکتہ پر پہنچی ہے کہ ۹۹ فیصد حصہ، ناسخین، کاتبین اور ناقلین کا تصرف ہوتا ہے۔ مصنف، مؤلف اور محقق کی طرف ان دعائیہ کلمات کی نسبت درست نہیں، وگرنہ معاملہ مشکل پڑ جاتا ہے، مثال کے طور پر اصول الشاشی میں ’’قال أبو حنیفة رضی اللہ عنہ‘‘ مرقوم ہے، جب کہ یہ صحابیؓ کے ساتھ خاص ہے اور اگر یہاں یہ تاویل کر دی جائے کہ یہ جملہ انشائیہ دعائیہ ہے، جب کہ صحابہؓ کے ساتھ یہ جملہ خبریہ بن کر آتا ہے تو پھر یہ سوال ہوگا کہ ہمارے اکابر کی کتب میں حضرات حسنینؓ کے

ساتھ ''علیہ السلام'' بھی لکھا مل جاتا ہے، جب کہ اس کو محققین ممنوع قرار دیتے ہیں، مثلاً سید نفیس شاہؒ نے الامام الحسینؓ، مناقب الحسنینؓ نامی کتب چھپوائی ہیں، ان میں ''علیہ السلام'' بکثرت واقع ہے، حالانکہ محققین اُسے ناجائز کہتے ہیں۔ (نبراس،ص:۷) ملا قاریؒ نے اہل بدعت کا شعار قرار دیا ہے۔ (شرح فقہ اکبر،ص:۱۶۷)

خلاصہ یہ کہ کتب میں جو دعائیہ کلمات منقول ہوتے ہیں، ان میں ناسخین، کاتبین اور اہل طباعت کا خاصا دخل وتصرف ہوتا ہے۔ ہمارے اس دعویٰ کی بیّن دلیل آپ حضرت تھانویؒ کی مناجات مقبول کے آخر میں منقول دعا سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کتاب کے راقم نے کوئی مختلف چھ (۶) ایڈیشن دیکھے ہیں: اشرفیہ ملتان، ادارہ اسلامیات، گابا سنز، فریدیہ اسلام آباد، وغیرہ سب ہی مطابع نے اس دعا میں تصرف کیا ہے۔ اب اگر یہ بات محقق ہوچکی کہ کتب میں موجود دعائیہ کلمات کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف کرنا درست نہیں تو پھر یہ کہنا ہرگز روا نہ ہوگا کہ تمام اسلاف کی کتب میں صرف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا منقول ہونا صرف اسی کی صحت پر دلیل ہے اور اگر ان کتب میں موجود دعائیہ کلمات کی نسبت اسلاف مؤلفین کی طرف درست ہے تو پھر معترض کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ صحابہؓ کے ماسوا بزرگوں کے لئے بھی عموماً ''رضی اللہ عنہ'' اور آل بیتؓ کے لئے ''علیہ السلام'' کا لفظ بھی استعمال کرے، جب کہ یہ غلط ہے۔ ایسے ہی ''صلی اللہ علیہ وسلم''، ''صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم''، ''صلی اللہ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم'' اور اس قسم کے دیگر مختلف کلمات بھی استعمال کرے کہ مختلف کتب اسلاف میں یہ تمام کلمات استعمال ہوتے ہیں۔ اور اس صورت میں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ان کلماتِ میں کمی بیشی کا حق کسی کو نہیں ہے، ایسے اُسے اسلاف کے عمل کے خلاف قرار دینا درست نہیں، کیونکہ اسلاف کی کتب میں یہ تمام کلمات مختلف طریقوں سے منقول ہیں:

مثلاً: امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنی مایہ ناز تحریروں میں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' (مکتوبات۲/۲۲۶، ۲۲۷) اور ''صلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم'' (مکتوبات۲/۳۵۲) اور ''علیہ وعلی آلہٖ وأصحابہٖ البررۃ'' (مکتوبات۲/۲۰۶) لکھتے نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تنوعِ الفاظ صرف جواز ہی کا پہلو لئے ہوئے ہے اور اس کا مقصد صرف درود ابراہیمی کی تلخیص ہے۔ ان گزارشات سے اوپر مرقوم فوائد نمبر:۲، نمبر:۳، نمبر:۴ کا محلِ نظر ہونا معلوم ہوگیا۔

رہا فائدہ نمبر:۱ تو یہ خود محتاج دلیل ہے، مسنون سے مراد سنت نبوی تو ہرگز نہیں ہوسکتی کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ منقول نہیں کہ آپ نے ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کا تلفظ فرمایا ہو تو لامحالہ سنتِ سلف مراد ہوگا تو اس صورت میں کیا ان اسلاف کا عمل زیادہ قابل اخذ وعمل نہیں، جنہوں نے ''صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم ''تحریر کیا ہے؟ خصوصاً جب کہ یہ درود ابراہیمی میں ملفوظ ''وعلی آل محمد'' کی نمائندگی بھی کر رہا ہے، جب کہ محض ''صلی اللہ علیہ وسلم'' بظاہر اس سے قاصر ہے۔

اسی طرح اس مختصر درود میں ''أصحابہ'' کا اضافہ بھی بنصِ قرآنی ''وصل علیھم'' درست ہے اور ''تعالیٰ'' کا اضافہ بھی کہ امام ربانی کے کلام سے ظاہر ہے۔

فائدہ نمبر: ۵ میں قدرے تنگ نظری کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور صرف اس لئے کہ کہیں انجانے میں شیعوں کی موافقت نہ ہو جائے۔ حالانکہ ''صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا قائل سنی اس کا تلفظ شیعہ نکتہ نظر سے نہیں، بلکہ درود ابراہیمی کی تلخیص کی خاطر کرتا ہے۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ درودِ ابراہیمی میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کا بھی ذکر ہے، جب کہ مختصر درود پاک میں اس کا ذکر نہیں؟ اس لئے کہ عموماً دو اجزاء والے کلمات جیسے موصوف صفت، مضاف مضاف الیہ، مشبہ مشبہ بہ میں اصل الاصول مقصود پہلا جزء ہوا کرتا ہے۔ غیر مسلم ہوں یا اہل بدعت، اُن کے اُن شعائر کو اپنانے کی مذمت ہے جو ان کا خاصہ ہوں، اگر شرع اسلام پر عمل کرتے ہوئے ان سے کوئی موافقت ہو جائے تو وہ ممنوع نہیں۔ کلامیات کے محقق عالم مولانا عبد العزیز پرہاڑویؒ اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں:

لیس التشبہ بالروافض باطلا
فی کل قول سیما سنن الھدی
کالأ کل بالیمنی وحب المرتضیؓ
وقرأة القرآن یا أھل الندی
بل فی شعارھم الذی قد بدعوا
من غیر أن یقفوا الرسول الأمجدا

(نزہۃ الخواطر: ۷/۲۷۷)

مولانا موصوف ہی شرح عقائد کی مایہ ناز شرح ''نبراس'' میں فرماتے ہیں:

"ذکر الآل فی التصلیة علی النبی ﷺ سنة مأثورة، وقد ثبت فی کثیر من الأحادیث الصحیحة "أن الصحابةؓ قالوا: یا رسول اللہ! کیف نصلی علیک؟ فقال: قولوا: اللّٰھم صل علی محمد وعلی آل محمد إلی آخر الحدیث" أما اکتفاء أھل الحدیث بقولھم "صلی اللہ علیہ وسلم" فلاختصارٍ أو بإرادةِ أنھم مع النبی ﷺ کنفس واحدةٍ فالصلاة علیہ صلاةٌ علیھم''۔ (شرح نبراس، ص:۷)

مولانا کی اس عبارت سے درج ذیل فوائد حاصل ہوئے:

۱...... درود شریف میں آلؓ کا ذکر سنت نبوی ہے۔

۲...... محدثین اختصار کے پیش نظر یا پھر نفسِ واحدۃ کی تاویل کر کے آلؓ کا لفظ ترک کرتے ہیں۔

ان گزارشات سے جناب ابوطلحہ صاحب کے مضمون میں بیان کردہ پہلے پانچ (۵) فوائد کی حقیقت سامنے آگئی۔

رہا یہ شبہ کہ ''و آلــہ'' کا جملہ نحوی قواعد کے خلاف ہے، تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ کوفہ کے نحوی حضرات تمام اور بصرہ کے بعض مشائخ کے ہاں ''**عـطف عـلـى الـضمير الخافض من غير إعادة الـجـار**'' مطلقاً جائز ہے۔ ہاں! بصرہ کے اکثر مشائخ اس کو صرف اضطرار کے وقت درست قرار دیتے ہیں، عام حالات میں وہ اُسے درست نہیں سمجھتے، تو جمہور نحویین کے نزدیک جب یہ درست ہے تو پھر کیسے یہ کہنا درست ہے کہ ''صلى الله عليه وسلم'' نحوی قاعدہ کے خلاف ہے؟

درسیات کی مشہور کتاب شرح ملا جامیؒ کے فاضل مصنف فرماتے ہیں: ''**وأجاز الكوفيون ترکَ الإعادة في حال السعة**''۔ (شرح جامی، ص:۱۹۹)

علامہ ابن ہشامؒ جنہیں سیبویہ سے بھی بڑا نحوی کہا گیا ہے ''**شـرح شـذور الـذهب**'' میں اس قاعدہ کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''**ولا يـجـب ذلک خـلافاً لأكثر البصريين**'' یعنی ''اعادۂ جار کا قاعدہ وجوبی نہیں، بخلاف بصرہ کے اکثر اہل علم کے''۔

قرآن پاک کی متواتر قراءۃ سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اعادۂ جار واجب نہیں۔ ہاں! یہ ضرور تسلیم ہے کہ ترکِ اعادہ جار کے ساتھ کلام عرب بہت کم ہے، لیکن یہ عدم صحت پر دال نہیں۔

''معجم القواعد العربیۃ'' کے مصنف ڈاکٹر عبد الغنی الدقر تحریر کرتے ہیں:

''**ويقل العطف على الضمير المخفوض إلا بإعادة الخافض...... وهناك قراءة حمزة والـنـخـعي وقتادة والأعمش ''تَسَـاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامِ'' بالخفض من غير إعادة الجار**''۔ (معجم القواعد العربیہ، ص:۳۳۱)

مشہور نحوی علامہ ابن مالکؒ (جن کی الفیہ ابن مالک ہے) فرماتے ہیں کہ: حرف جر کا اعادہ ضمیر مجرور پر عطف کرتے ہوئے میرے ہاں لازم نہیں۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسلک علماء کوفہ اور یونس نحویؒ، امام زجاجؒ اور اخفشؒ کا بھی ہے۔ موصوف نے ''وَاتَّقُوْا اللهَ الَّـذِیْ تَسَـاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامِ'' سے دلیل لیتے ہوئے فرمایا کہ: قاری حمزہؒ کی یہ قراءت حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ، قتادہؒ، نخعیؒ اور اعمشؒ کی بھی ہے۔ علامہ ابن عقیلؒ نے امام سیبویہؒ سے ایک شعر نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مسلک بھی علماء کوفہ جیسا ہے۔ (شرح ابن عقیل، ص:۱۳۶)

☆☆☆

برقی تصویر

مفتی شعیب عالم
استاذ و مفتی دارالافتاء جامعہ

(تیسری قسط)

فقہی تبصرہ وتفصیل

فنی تجزیہ اور تحلیل کرتے وقت کیمرے کے ذریعے منظر کشی کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا تھا:

۱:......شبیہ کی تشکیل(Formation)

۲:......شبیہ کا ضبط(Persistence)

۳:......شبیہ کا اظہار(Presentation)

ان تینوں مرحلوں کا حاصل یہ تھا کہ روشنی کی کرنیں عکس بناتی ہوئی کیمرے میں داخل ہوتی ہیں، جسے ''عکس کا حصول'' یا ''شبیہ کی تشکیل'' کہتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں کیمرے کے اندرونی پرزے پر محفوظ کردی جاتی ہیں، جسے ''عکس کا ضبط'' یا ''شبیہ کا ریکارڈ کرنا'' کہتے ہیں۔ جب کہ تیسرے مرحلے میں محفوظ شدہ اور اخذ کردہ شبیہ کو کاغذ یا پردے پر ظاہر کردیا جاتا ہے، جسے ''شبیہ کا اظہار'' یا ''اس کی نمائش'' کہتے ہیں۔ گویا ''اخذ شبیہ، ضبط شبیہ اور اظہار شبیہ'' ان تینوں مراحل سے گزر کر ایک مصنوعی برقی منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

۱۔ جب کیمرے کے ذریعے کوئی منظر لیا جائے تو اسے عکس بندی کہیں گے یا تصویر سازی؟

۲۔ جب اس منظر کو کسی آلے میں محفوظ کرلیا جائے تو اس محفوظ مواد کو عکس کہیں گے یا تصویر؟

۳۔ اور جب اس ضبط شدہ مواد کو کسی کاغذ یا پردے یا اسکرین پر دکھایا جائے تو اسے عکس نمائی کہیں گے یا تصویر نمائی؟ یہ تین سوالات ہیں اور ان کے جواب پر برقی شبیہ کے حکم کا مدار ہے کہ وہ تصویر ہے یا نہیں؟ نگاہ نگاہ کے فرق سے۔ ان تینوں سوالات کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے:

۱....ایک یہ کہ تینوں مرحلوں میں سے ہر ہر مرحلے کو انفرادی حیثیت سے دیکھا جائے۔

۲....دوسرا یہ کہ تینوں مرحلوں کا مجموعی حیثیت سے جائزہ لیا جائے۔

ہماری یہ بحث اسی وقت جامع اور مکمل کہلائے گی، جب ہم ہر ایک مرحلے پر جزوی اور

انفرادی حیثیت کے ساتھ کلی اور مجموعی اعتبار سے بھی نگاہ ڈالیں۔ اس لئے پہلے ہر مرحلے کا انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر تینوں کا بہ حیثیت مجموعی جائزہ لیا جائے گا۔

انفرادی جائزہ

پہلا مرحلہ: حصول عکس

اگر پہلے مرحلے تک نگاہ محدود رکھی جائے اور درمیانی اور آخری مرحلے کو نہ دیکھا جائے تو کیمرا آلۂ عکاسی ہے، آلۂ مصوری نہیں، اور وہ تصویر نہیں بناتا بلکہ عکس اتارتا ہے۔ وجہ اس کی تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ ہر کیمرا روشنی کی مدد سے آغاز میں عکس اتارتا ہے اور جب کیمرے نے عکس اتارا تو لامحالہ آلۂ عکاسی ٹھہرا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عکس لینا، دیکھنا اور دکھانا کوئی گناہ نہیں ہے تو کیمرے کے ذریعے منظر کشی میں بھی کوئی قباحت نہیں۔

دوسرا مرحلہ: عکس کا ضبط

دوسرا مرحلہ عکس کے حفظ وضبط کا ہے۔ مختلف کیمرے مختلف طریقوں سے عکس کو محفوظ کرتے ہیں۔ جن کیمروں میں فلم استعمال ہوتی ہے ان میں تو تصویری نقوش کی صورت میں عکس محفوظ ہوتا ہے، جسے تفصیلی پراسس کے بعد انسانی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس عکس کے تصویر ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں، اس لئے اس پر گفتگو کو طول دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ویڈیو کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جب کہ ڈیجیٹل کیمرے میں صرف اعداد ہوتے ہیں جو دراصل برقی لہریں ہوتی ہیں۔ ان اشاروں اور لہروں کو ایسے آلے کے ساتھ ہم رشتہ کر دیا جاتا ہے جو انہیں تصویر میں بدلنے کی قدرت اور صلاحیت رکھتا ہے، چنانچہ ان ہی کی مدد سے بلکہ ان ہی لہروں سے اصل جیسا منظر تشکیل دیا جاتا ہے، جو اصل کی نقل اور مثنیٰ اور اس کی ہو بہو کاپی ہوتا ہے۔۔ گویا مآل اور انجام کے اعتبار سے یہ لہریں تصویر کا مواد ہوتی ہیں اور انہیں بایں معنی تصویر کا مادہ کہنا درست ہے کہ جب انہیں ظاہر کیا جائے گا تو یہ صرف تصویر کی شکل میں ظاہر ہوں گی، مگر اس مرحلے میں اور موجودہ حالت میں انہیں تصویر کہنا سمجھ سے بالا اور بعید از فہم ہے۔ کیوں کہ عکس جب تک ڈسک یا پٹی پر برقی لہروں اور اشاروں کی صورت میں ہو، اُسے عکس کہنا بھی درست نہیں ہے، چہ جائیکہ اُسے تصویر کہا جائے، مثلاً: حروف سے الفاظ بنتے ہیں اور الفاظ سے جملے اور جملوں سے مضمون بنتا ہے۔ اب اگر کسی جاندار کے بارے میں ایسا مضمون قلم بند کیا جائے، جس میں اس کے ظاہری رنگ وروپ، شکل و صورت اور چہرے مہرے کا بیان ہو تو اُسے تحریری منظر کشی کہیں گے، مگر حقیقی تصویر نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ حروف کا مجموعہ مضمون اور مجازی تصویر ہوسکتا ہے، مگر حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی طرح

برقی لہروں اور اعداد کا مجموعہ بھی حقیقی تصویر نہیں ہوسکتا ہے۔ زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ حروف کو تصویر نہیں کہہ سکتے، تو اعداد اور رموز کو کیسے تصویر کہا جائے گا؟

اس کی ایک واضح دلیل کتب حدیث میں ملتی ہے۔ شمائل میں سرکار دوعالم ﷺ کا ایسا دل آویز نقشہ کھینچا گیا ہے کہ حلیہ مبارک آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مصوری کی ہے۔ اسی طرح ایک قادر الکلام شخص جب کسی واقعے کی منظر کشی کرتا ہے تو اپنے زورِ بیان سے غائب کو شاہد کردیتا ہے اور اپنے محسوسات کو یوں متشکل کردیتا ہے کہ سامع کے ذہن میں ایک تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے، مگر اسے تصویر سازی نہیں کہتے۔ شاعر اپنے تخیل کی مدد سے پرچھائیوں کو جذبات اور محسوسات کو زبان دے دیتا ہے، مگر اُسے صورت گری نہیں کہا جاسکتا۔ مصور اگر رنگوں سے تصویر بناتا ہے تو شاعر لفظوں سے، اور شاعر کی بنائی ہوئی تصویر اکثر اوقات مصور کی تصویر سے بازی لے جاتی ہے، مگر الفاظ یا حروف کے ذریعے منظر کشی یا پیکر تراشی کو کوئی بھی حقیقی صورت گری نہیں کہتا۔

بہر حال اس دوسرے مرحلے میں جو کچھ ان آلات میں موجود ہوتا ہے، اسے بایں معنیٰ **عکس یا تصویر کا مواد کہہ سکتے ہیں کہ جب اسے ظاہر کیا جائے گا تو وہ صرف عکس یا تصویر ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا، مگر بحالت موجودہ اُسے حقیقی عکس یا تصویر نہیں کہا جاسکتا۔** (۱)

تیسرا مرحلہ: عکس کا اظہار

تیسرا مرحلہ منظر نمائی کا ہے۔ جو منظر کیمرے نے محفوظ کیا ہے، چاہے وہ فلم پر ہو یا ڈسک پر، رنگ وروغن کی صورت میں ہو یا برقی کرنوں اور مقناطیسی اشاروں کی صورت میں، اب اُسے نگاہوں کے سامنے لایا جاتا ہے۔ یہی اصل مقصود ہوتا ہے اور اس سے پہلے کے تمام مرحلے اسی مقصد کے حصول کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اگر یہ تصویر ہے تو پچھلے دو مرحلے تصویر سازی کے ابتدائی اور ناگزیر مرحلے ہونے کی بناء پر ناجائز ہیں اور اگر یہ عکس ہے تو پچھلے دونوں مرحلے عکس کے مقدمات ہونے کی بناء پر جائز ہیں۔

مجموعی جائزہ

اب تک تینوں مرحلوں کا الگ الگ اور انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا گیا اور ہر مرحلے کو مستقل سمجھ کر، علیحدہ جان کر اور ماقبل و مابعد سے صرفِ نظر کر کے اس پر بحث کی گئی۔ مگر حق یہ ہے کہ تصویر کی بحث میں کسی ایک مرحلے کو حکم کے لئے مدار بنانا اور اس کے ماقبل اور مابعد کو نظر انداز کردینا درست نہیں، کیونکہ یہ تینوں مرحلے تو صرف فنی اور تشریحی طور پر سامنے آتے ہیں، ورنہ حقیقت میں ایک ہی مقصد کے حصول کے تین مرحلے ہیں۔ تینوں سلسلہ وار کڑیاں ہیں جو باہم مربوط

اور پیوستہ ہیں اور تینوں کے مجموعے سے کل کی تشکیل ہوتی ہے، مقصود وجود پذیر ہوتا ہے اور نتیجے کا حصول ہوتا ہے۔ ان تینوں میں فرق اور امتیاز کرنا ایسا ہے جیسے مجسمے کو تو حرام کہا جائے، مگر مجسمہ سازی کے لئے ہتھوڑی سے پتھر پر ضرب لگانے کو اہمیت نہ دی جائے۔ شراب سے نفرت کی جائے، مگر اس کی تیاری کے لئے انگور نچوڑنے، پکانے اور چھاننے کے عمل کو غیر سنجیدگی سے لیا جائے۔

مقصد یہ ہے کہ تینوں پر ایک کلی اور مجموعی نظر ڈالنی چاہئے اور پھر ان تینوں میں سے اصل مقصود شبیہ کا اظہار، یعنی تیسرا مرحلہ ہے، اس لئے اسی تیسرے مرحلے کو اہمیت اور وقعت دینی چاہئے، کیوں کہ شبیہ کا حصول اور ضبط اس کے اظہار ہی کے لئے ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ساری مشق سعی لاحاصل اور پورا مشینی عمل فضول اور رائیگاں ہے۔

اس موقع پر عقل وفہم اور دانش وبینش کا جو فیصلہ ہے کہ مقصودی مرحلے کو چھوڑ کر غیر مقصودی مرحلے پر حکم کی بنیاد نہیں رکھنی چاہئے، یہی قواعدِ شریعت کا بھی تقاضا ہے، کیوں کہ شریعت بھی مآل اور انجام کو دیکھتی ہے۔ کوئی فعل جس کا حکم آغاز میں معلوم نہ ہو، اس کی شرعی نوعیت جانچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے انجام ومآل اور نتیجے وثمرے کو ابتداء میں موجود فرض کرلیا جائے، اگر نتیجہ جائز نکلتا ہو تو فعل کا آغاز جائز ٹھہرتا ہے اور اگر نتیجہ شریعت کے مخالف نکلتا ہو تو ابتداء بھی ناجائز ٹھہرتی ہے۔ مثلاً: قتل اگر ناجائز ہے تو قتل کی نیت، قتل کی نیت سے تیاری، ہتھیار کا حصول اور اقدامِ قتل بھی ناجائز ہے۔ ''**الأمور بمقاصدها**'' فقہ کا معروف قاعدہ ہے۔ اس قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اسکرین پر نمودار ہونے والی صورت تصویر ہے تو اس مقصد کے لئے عکس لینا اور اسے محفوظ کرنا بھی تصویر سازی ہے، اور اگر تصویر سازی معصیت ہے تو معصیت کا مقدمہ بھی معصیت ہے، اس لئے تصویر سازی کے لئے عکس لینا اور محفوظ کرنا بھی معصیت ہے۔

بت ساز جب ہتھوڑی کے ذریعے چھینی پر ضرب لگاتا ہے، آرٹسٹ جب کینوس پر رنگ بکھیرتا ہے، مصور جب قلم کاغذ پر رکھتا ہے تو اسی وقت گناہگار ہو جاتا ہے، بلکہ گناہ کی ابتداء سے بھی پہلے جب کوئی شخص گناہ کا پکا عزم اور مصمم ارادہ کرلیتا ہے تو قواعدِ شریعت کے مطابق اس کے کھاتے میں گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔

تنقیح مناط: عکس یا تصویر؟

تصویر صاحبِ تصویر کی حکایت ہے، اصل کی نقل وترجمان ہے، انسانی صنعت کو اس میں دخل ہے، قائم وپائیدار ہے، فتنے کا باعث ہے، زائد از ضرورت زیب وزینت ہے، پاکیزہ ارواح کے لئے باعث تکلیف ہے، غیر قوموں کے ساتھ مشابہت ہے، خدا کی صفت تخلیق کی نقالی ہے، اور شریعت کو اس سے سخت نفرت ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر تصویر حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے

برعکس، عکس جائز ہے، کیونکہ:

عکس صاحبِ عکس کے تابع ہے، ذوعکس کی پرچھائیاں ہیں، اصل کی ہو بہو کاپی ہے، عارضی اور ناپائیدار ہے، روشنی سے مرکب ہے، قدرتی اور فطری ہے، لحہ بہ لحہ اور لحظہ بہ لحظہ وجود میں آتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے۔

تصویر سے شریعت کو سخت نفرت ہے، جب کہ عکس کا دیکھنا خود صاحبِ شریعت سے ثابت ہے۔ اس لئے تصویر کے حرام ہونے اور عکس کے جائز ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف یہ ہے کہ اسکرین پر جو صورت دیکھنے میں آتی ہے، وہ کیا ہے؟ عکس ہے یا تصویر ہے؟ یا دونوں میں سے کس کے قریب ہے؟ اس اختلافی نکتے کو بصیرت کے ساتھ حل کرنے اور اس ضمن میں دیئے جانے والے دلائل کی وضاحت کے لئے شروع میں یہ بحث کی گئی کہ عکس کیا ہے؟ کیسے اتارا جاتا ہے؟ کیسے محفوظ کیا جاتا ہے؟ کیسے دکھایا جاتا ہے؟ اور اس ضمن میں کتنے آلات سے مدد لی جاتی ہے؟ اور ان نئے اور پرانے آلات کا فرق کیا ہے؟ اگر یہ مقاصد نہ ہوتے تو ان مباحث کو چھیڑنا سوائے وقت کے ضیاع کے اور کچھ نہ تھا۔

جو اصل اختلافی نکتہ ہے کہ اسکرین پر ظاہر ہونے والی صورت کیا ہے؟ بعض اُسے ٹیکنالوجی کی جدت، تصویر کا تسلسل اور اس کی ترقی یافتہ شکل کہتے ہیں، جبکہ بعض اُسے آئینے کے عکس کے مانند جائز سمجھتے ہیں۔ دونوں قول اہل علم کے ہیں اور دونوں کے پسِ پردہ دلائل ہیں۔

جواز کی مرکزی دلیل یہ ہے کہ برقی شبیہ عکس کی طرح ناپائیدار ہوتی ہے۔ جب کہ عدم جواز کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ تصویر کی طرح صورت محفوظ ہوتی ہے اور عرف میں اسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔ دلائل کی یہ جنگ طویل بھی ہے اور شدید بھی۔ ہر فریق اپنی مرضی کا میدان منتخب کرتا ہے اور مرضی کا محاذ کھولتا ہے اور اپنے موقف کی تقویت کے لئے مختلف دلائل کا سہارا لیتا ہے، مگر بنیادی دلائل وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان کے علاوہ جو دلائل دیئے جاتے ہیں، وہ اس حیثیت سے ضمنی اور ثانوی نوعیت کے ہیں کہ ان سے اصل دلیل کو تقویت پہنچائی جاتی ہے یا اس کا دفاع کیا جاتا ہے یا جانب مخالف کی دلیل پر یا اس کے دعویٰ پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور جن دلائل کو مرکزی دلائل سے تعبیر کیا گیا، وہ بھی حقیقت میں دلائل نہیں، بلکہ دعویٰ جات ہیں اور دعویٰ ثبوت کا محتاج ہوتا ہے۔

ہمارا مقصود تمام دلائل کا استیعاب نہیں، بلکہ صرف اُن اہم نکات پر گفتگو ہے جو اس موضوع کے تعلق سے زیرِ بحث آتے ہیں اور ان کے بیان میں بھی استیعاب کے بجائے انتخاب کے اصول پر عمل کیا گیا ہے۔ آگے اُن ہی چیدہ چیدہ نکات کا بیان ہے۔

صنعتِ انسانی

ایک پتھر جہاں پڑا ہے وہیں پڑا رہے گا، ایک درخت جہاں کھڑا ہے وہیں جما رہے گا،

کیوں کہ قانونِ قدرت کے تحت مجبور ہے۔ اسی لئے پتھروں، درختوں اور پہاڑوں پر فردِ جرم عائد کرنے کے لئے عدالت کی کرسی نہیں لگائی جاتی، مگر انسان جرم کرتا ہے تو سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، کیوں کہ اختیار اور قدرت رکھتا ہے اور اسی بنا پر اپنے افعال کا ذمہ دار اور اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔ اسی قدرت و اختیار پر تمام بنیاد قائم ہے۔

اب ذرا اس فرق پر غور کیجئے کہ عکس اور تصویر میں انسان کا عمل و دخل کس قدر ہے؟ انسان جب آئینے کے سامنے آتا ہے تو آئینے کے روبرو آنا تو اس کے اختیار میں ہے اور خود آئینہ بھی انسانی صنعت گری کا کمالِ شاہکار ہے، مگر عکس و انعکاس میں انسان کے ارادے اور اختیار کا دخل نہیں ہے۔ جب بھی عکس کے اسباب جمع ہوں گے، عکس بن کر رہے گا اور انعکاس ہوکر رہے گا، جیسا کہ جب بھی سورج نکلے گا تو روشنی پھیل کر رہے گی اور جہاں بھی کوئی چیز ہوگی تو اسے دایاں اور بایاں، فوق اور تحت کی اضافت حاصل ہوکر رہے گی۔

دوسری طرف ان برقی آلات کی نمائش گاہوں پر جو صورتیں جلوہ افروز ہوتی ہیں، ان میں انسانی قصد و ارادہ اور قدرت و اختیار کا بھرپور دخل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایسی قدآور شخصیت اور بلند پایہ ہستی کا حوالہ مناسب رہے گا، جو عقلائے یونان کی غلطیوں کو درست کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو اگر چاہتے تو منطق یونان کے مقابل ایک نئی منطق کی بنیاد رکھ سکتے تھے۔ اگر خیال رازیؒ اور غزالیؒ جیسی ہمہ جہت اور جامع شخصیتوں کی طرف متوجہ ہو تو حرج نہیں، جامع المعقول والمنقول، قاسم العلوم والخیرات، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ عقلیات میں ان بزرگوں سے کچھ کم نہ تھے۔ حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں یہی فرق بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''اتحادِ شکل کی کل دو صورتیں ہیں: ایک تصویر کشی، دوسری انعکاس، سو تصویر کشی تو فعل اختیاری مصور ہے اور تصویر اس کی ساختہ و پرداختہ، اور انعکاس ایک اضافت بے اختیاری ہے اور عکس ایک نتیجہ ضروری..... تقابل تو کسی قدر اختیار میں ہوتا ہے، پھر انعکاس اور عکس دونوں اختیار سے باہر ہیں۔''(۲)

ایک آئینہ پر کیا موقوف!..... انسان جب بھی کسی شفاف چیز کے سامنے آئے گا، چاہے وہ صاف پانی ہو یا چمکدار پتھر ہو یا چمکیلا فرش ہو، اس کا عکس بن کر رہے گا۔ اس لئے نفسِ عکس تو قدرتی اور فطری ہے اور اس کا بننا اختیار سے باہر ہے اور اس سے بچنے کا حکم دینا اصولِ شریعت کے منافی ہے، کیوں کہ شریعت کی عمارت ''عدمِ حرج'' کے اصول پر قائم ہے، جب کہ عکس کی ممانعت اور حرمت سخت تنگی کا باعث ہے۔ اس کے برعکس ان بجلی کے آلات پر جو صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں، وہ پوری طرح مصنوعِ انسانی اور اس کی قدرت و اختیار میں ہوتی ہیں۔

حضرت نانوتویؒ نے عکس اور تصویر میں جو فرق بیان کیا ہے، لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی

ہے، کیوں کہ تصویر ''باب تفعیل'' کا مصدر ہے اور اس باب کی خاصیت ''جعل وصنعت'' ہے۔ اس لئے تصویر تو ''مصنوع انسانی'' ہوتی ہے اور اس میں انسان کا عمل و دخل ہوتا ہے، مگر نفس عکس انسانی طاقت واختیار سے باہر ہوتا ہے۔

مفتی احمد ممتاز صاحب مدظلہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ شبیہ کی کل چار قسمیں ہیں:

۱:......سایہ ۲:......عکس...... ۳:......مجسمہ ۴:......تصویر

آگے لکھتے ہیں کہ پہلی دو غیر اختیاری ہیں، اس لئے جائز ہیں اور آخری دو اختیاری ہیں، اس لئے ناجائز ہیں۔

مشہور عرب عالم شیخ ناصر الدین الالبانیؒ کی وہ بحث بھی اس مقام پر مناسب اور برمحل معلوم ہوتی ہے، جو انہوں نے ان لوگوں کی تردید میں فرمائی ہے جو ہاتھ سے بنائی ہوئی اور کیمرے سے کھینچی گئی تصویر میں فرق روا رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

"وقريب من هذا تفريق بعضهم بين الرسم باليد وبين التصوير الشمسي يزعم أنه ليس من عمل الإنسان اوليس من عمله فيه إلا إمساک الظل فقط، كذا زعموا .أما ذلک الجهد الجبار الذی صرفه المخترع لهذه الآ لة حتى استطاع أن يصور فی لحظة ما لا يستطيعه بدونها فی ساعات، فليس من عمل الإنسان عند هو لاء . و كذالک تو جيه المصور للآ لة و تسد يد ها نحو الهدف المراد تصويره ،و قبيل ذلک تر كيب ما يسمو نه با لفلم ثم بعد ذالک تحميضه و غير ذالک مما لا أعرفه، فهذا أيضاً ليس من عمل الإنسان عند أولئک أيضا....و ثمرة التفريق عندهم أ نه يجوز تعليق صورة رجل مثلاً فی البيت إذا كانت مصورةً بالتصوير الشمسی .ولا يجوز ذالک إذا كانت مصورةً باليد، أما أنا فلم أرله مثلاً إلا جمود بعض أهل الظا هر قديماً مثل قول أحدهم فی حديث:" نهى رسول الله ﷺ عن البول فی الماء الراكد ". قال : فالنهی عنه هو البول فی الماء مبا شرةً ،أمالو بال فی إناء ثم أ راقهٗ فی الماء فهذا ليس منهيا عنه". (۳)

ترجمہ:....''اس سے ملتی جلتی بات بعض لوگوں کا ہاتھ سے بنائی ہوئی اور عکسی تصویر کے درمیان فرق کرنا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ عکسی تصویر کے لینے میں انسان کا عمل و دخل نہیں ہے۔ انسان نے تو صرف سایہ روک دیا ہے، بس اتنا ہی انسان کا عمل و دخل ہے۔ یہ ان لوگوں کا خیال ہے، ورنہ وہ انتھک محنت اور سخت جدو جہد جو موجد نے اس آلے کے ایجاد کرنے پر صرف کی ہے، اور جس کی بدولت وہ لمحوں میں اتنی

تصویریں بنا سکتا ہے جتنی گھنٹوں میں بھی اس کے بغیر نہیں بنا سکتا، وہ ان کے نزدیک انسانی عمل ودخل نہیں ہے۔ اسی طرح جس چیز کی تصویر کھینچنی مقصود ہو، اس کی طرف آلے کو درست کر کے لگانا اور اس سے پہلے اس کے اندر فلم لگانا اور پھر اس کی صفائی، دھلائی اور اس کے علاوہ نجانے کتنے کام! یہ سب کے سب کام بھی ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک ان میں انسان کے عمل کو دخل نہیں۔ ان حضرات کے نزدیک دونوں قسم کی تصاویر میں فرق کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ کسی انسان کی عکسی تصویر کو لٹکانا ان کے نزدیک جائز ہوگا، لیکن ہاتھ سے بنی ہوئی تصویر کو لٹکانا جائز نہیں ہوگا۔ میں نے سوائے بعض قدیم اور خشک اہل ظاہر کے ایسے کوئی لوگ نہیں دیکھے ہیں، جو کہتے ہیں کہ یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ: ''حضور اقدس ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے''۔ اس حدیث میں براہ راست پانی میں پیشاب کرنے سے ممانعت ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی برتن میں پیشاب کرے اور اُسے پانی میں بہادے تو اس کی ممانعت نہیں ہے''۔

تصویر کا غیر مرئی ہونا

ڈیجیٹل تصویر کے جواز میں یہ دلیل کثرت کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کہ ڈیجیٹل کیمرے میں تصویری نقوش کی صورت میں شبیہ محفوظ نہیں ہوتی ہے۔

ماضی میں جب کبھی ٹی وی یا ویڈیو کیسٹ کے جواز میں یہ نکتہ پیش کیا گیا کہ اس کے کیمرے میں صرف برقی اشارے ہوتے ہیں، جبکہ تصویر غیر مرئی ہوتی ہے، تو حضراتِ اکابر نے اسے ایک غیر معقول اور نا قابلِ قبول دلیل کہہ کر مسترد کیا ہے۔ قافلۂ شہداء کے سپہ سالار حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ٹی وی اور ویڈیو فلم کا کیمرا جو تصویریں لیتا ہے، وہ اگرچہ غیر مرئی ہیں، لیکن تصویر بہر حال محفوظ ہے اور اسٗ کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے۔ اس کو تصویر کے حکم سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے فرسودہ نظام کی بجائے سائنسی ترقی نے تصویر سازی کا ایک دقیق طریقہ ایجاد کرلیا ہے۔ لیکن جب شارع نے تصویر کو حرام قرار دیا ہے تو تصویر سازی کا طریقہ خواہ کیسا ہی ایجاد کرلیا جائے، تصویر تو حرام ہی رہے گی۔''(۴)

''تصویر بہر حال محفوظ ہے'' یہی وہ فیصلہ کن نکتہ ہے جو برقی تصویر کو عکس سے جدا کر دیتا ہے۔ آگے جو ارشاد فرمایا کہ ''اس کو ٹی وی پر دیکھا اور دکھایا جاتا ہے'' اس عبارت سے حضرت

شہید حقؒ نے اپنے دعویٰ کہ ''تصویر بہر حال محفوظ ہے'' کو مدلل کر دیا اور اس طرف اشارہ بھی فرما دیا کہ فنی عمل کے نتیجے میں تصویر غیر مشہود ضرور ہے، لیکن ایسا نہیں کہ موجود بھی نہیں۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے بھی اس دلیل کو مسترد کیا ہے۔فرماتے ہیں:

''....صرف اتنی سی بات کو لے کر کہ ویڈیو کے فیتے میں ہمیں تصویر نظر نہیں آتی، تصویر کے وجود کا انکار کر دینا کھلا مغالطہ ہے۔''(۵)

مزید لکھتے ہیں:

''....کتنے ہی لوگ ہیں جو کھپ گئے، دنیا میں ان کا نام ونشان نہیں، مگر ان کی متحرک تصویریں ویڈیو کیسٹ میں محفوظ ہیں، ایسی تصویر کو کوئی....بھی عکس نہیں کہتا۔''(۶)

جو لوگ کہتے ہیں کہ ویڈیو کیسٹ میں تصویری نقوش کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، اس بناء پر وہ تصویر کی تعریف سے خارج ہیں۔حضرت مفتی صاحبؒ نے یہی دلیل اُلٹ کر ان کے خلاف استعمال کی ہے اور اسی دلیل سے جواز کے برعکس عدمِ جواز ثابت کیا ہے:

''....اگر یہ منطق تسلیم کر لی جائے کہ فیتے میں تصویر محفوظ نہیں، معدوم ہے اور ویڈیو کیسٹ میں محفوظ نقوش ٹی وی اسکرین پر جا کر تصویر بنا دیتے ہیں تو اس لا حاصل تقریر سے اصل حکم پر کیا اثر پڑا؟ تصویر محفوظ ماننے کی تقدیر پر ٹی وی صرف تصویر نمائی کا ایک آلہ تھا، اب تصویر سازی کا آلہ بھی قرار پایا کہ صرف تصویر دکھاتا نہیں، بناتا بھی ہے۔اب تو اس کی قباحت دوچند ہوگئی، یک نہ شد دو شد۔''(۷)

جس حقیقت کو لدھیانہ کے دونوں بزرگوں نے عام فہم اور عوامی انداز میں سمجھایا ہے، ماہنامہ گلوبل سائنس نے اسے فنی اور تیکنیکی اسلوب میں بیان کیا ہے۔ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ویڈیو کیمرے یا ڈیجیٹل کیمرے میں محفوظ کی گئی شبیہ، طبعی یا ظاہری اعتبار سے شبیہ نہیں ہوتی، لیکن معنوی اعتبار سے شبیہ ہوتی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جب شبیہ کے اظہار کا مرحلہ آئے گا تو وہ شبیہ اسی شکل میں ظاہر ہوگی جسے ابتداء میں محفوظ کیا گیا تھا، نہ کہ کسی اور صورت میں، لہٰذا مخصوص سائنسی اصطلاح میں بھی رموز (کوڈز) میں پوشیدہ اس شبیہ کو شبیہ ہی کہا جائے گا۔''

امریکی عدالت اپیل نے بھی ڈیجیٹل ذریعے میں موجود ڈیٹا کو تصویر قرار دیا ہے:

''....ہمارا فیصلہ ہے کہ غیر ڈیویلپ شدہ فلم بصری تصویر ہے....ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ الزام لگائے جانے والے قانون کی رو سے کمپیوٹر g.i.f files بصری تصویر کی تعریف میں آتی ہیں۔''

انسان میں جہاں اور بہت ساری فطری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بغیر

نظیر اور مثال کے کسی چیز کے ماننے میں اسے سخت دشواری پیش آتی ہے۔ یوں ماننے کے لئے کہا جائے تو جبراً وقہراً آدمی سب کچھ مان سکتا ہے اور مان لیتا ہے، لیکن اطمینان وآشتی کے لئے وہ نمونہ اور مثال ونظیر کا محتاج ہے۔

ماہنامہ ''بینات'' شوال ۱۴۰۸ھ کے شمارے میں مولانا کبیر احمد نے مختلف نظائر وامثال کے ذریعے سے مذکورہ دلیل پر دلچسپ تبصرہ کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''آیئے! مولانا کا دوسرا اصول بھی دیکھ لیجئے! مولانا نے ان تصویروں کو عکس اور پرچھائیں فرمایا ہے اور دلیل بھی کتنی جاندار کہ: ا:.... ''وہ نظر نہیں آتیں....''
لیکن یہ دنیائے علم کے لئے ایک افسوس ناک حادثہ ہے کہ اتنا بڑا عالم اتنی چھوٹی اور نیچی باتیں کررہا ہے۔ کیا کسی چیز کا نہ دکھائی دینا اس کے نہ ہونے کی دلیل ہے؟ ہزاروں چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں، لیکن ان کے وجود کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس کی نظیریں علوم وفنون کے ہر شعبہ میں ہیں۔ شرعیات میں دیکھئے کہ دواعیٔ زنا یعنی بوس وکنار جو اسباب زنا ہیں، ان پر وہی حکم لگتا ہے جو زنا کا حکم ہے، یعنی رشتۂ مصاہرت ثابت ہوجاتا ہے، جب کہ زنا بالفعل موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ بالقوۃ موجود ہے کہ ان اسباب سے جرم زنا کا صدور ہوسکتا ہے، اس لئے ان پر حکم زنا ثابت کیا گیا۔ اسی طرح ٹیلی ویژن، وڈیو کیسٹ کے فیتہ پر تصویریں اگرچہ بالفعل نظر نہیں آتی ہیں، لیکن بالقوۃ ہر وقت نظر آرہی ہیں، اس طرح کہ جب چاہے بٹن دبایئے اور ساری تصویریں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر ناچنے لگیں، اس لئے بالقوۃ کا حکم وہی ہوگا جو بالفعل کا ہے۔ نحویات میں اس کی مثال لیجئے کہ ضمائر متصلہ جو نظر نہیں آتی ہیں، لیکن تمام اہلِ فن وہاں پر ضمائر کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے وجود کو مانتے ہیں۔ اسی طرح مفعول مطلق اور مفعول بہ میں بعض مقامات پر افعال بظاہر موجود نہیں ہوتے ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ ہمارے جسم کی کیفیات: سرور وغم نگاہوں سے مستور ہیں، لیکن ان کے انکار کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ اعتقادیات کے باب میں خدائے پاک نظروں سے مخفی ہیں، لیکن اس کے باجود اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، اور سائنسیات کی کتاب الٹایئے کہ برقی لہریں نظر نہیں آتیں، مگر کوئی ان کے وجود کا انکار نہیں کرتا۔ تو آخر کیا مصیبت ہے کہ زندگی اور علوم وفنون کے ہر شعبہ میں تو کسی چیز کو ماننے کے لئے ظاہری مشاہدہ کو شرط نہیں قرار دیا جاتا، لیکن جب وڈیو کیسٹ کا مسئلہ آتا ہے تو اس میں رؤیت کی شرط لگادی جاتی ہے، جو

تمام گوشہ ہائے حیات میں ٹھکرائی جا چکی ہے...... اب ارباب نظر خود فیصلہ کرلیں کہ مولانا کی پیش کردہ دلیل کتنی ایٹمی قوتوں کا مجموعہ ہے؟''(۸)

پائیداری اور ناپائیداری کی بحث

جو چیز عکس کو تصویر سے ممتاز کرتی ہے، وہ عکس کا ناپائیدار اور تصویر کا پائیدار ہونا ہے۔ عکس جائز ہے، اس لئے کہ ناپائیدار ہوتا ہے اور تصویر ناجائز ہے، اس لئے کہ پائیدار ہوتی ہے۔ یہی وہ فرق ہے جس کو پوری اہمیت اور وضاحت کے ساتھ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تصویر کے شرعی احکام'' میں بیان فرمایا ہے۔ حضرت لکھتے ہیں:

''فوٹو کے آئینہ پر جو کسی انسان کا عکس آیا، اس کو عکس اسی وقت تک کہا جا سکتا ہے جب تک اس کو رنگ وروغن اور مسالہ کے ذریعے قائم اور پائیدار نہ بنا دیا جائے، اور جس وقت اس عکس کو قائم اور پائیدار بنا دیا، اسی وقت یہ عکس تصویر بن گئی۔''(۹)

مگر قیام وپائیداری سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کیا ہے؟ علماء کا اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت مفتی اعظمؒ نے اپنی منشاء کے بیان کے لئے جو الفاظ چنے ہیں، اگر وہی پڑھے جائیں اور جو پڑھا جائے وہی سمجھا جائے تو قائم اور پائیدار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز اپنے محل پر نقش اور ثبت ہو جائے اور اس طرح قرار پکڑ لے جس طرح حرف کاغذ پر اور رنگ دیوار پر قرار پکڑ لیتا ہے تو وہ قائم اور پائیدار ہے۔ اس تفسیر کی رو سے برقی تصویر حرام تصویر کے ذیل میں نہیں آتی، کیونکہ وہ بایں معنیٰ اپنے محل پر قائم وثابت نہیں ہوتی ہے۔ جو علماء برقی تصویر کو تصویر محرّم نہیں سمجھتے، وہ پائیداری کے اسی مفہوم کو مدنظر رکھ کر تصویر کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

''جاندار کی ایسی شبیہ جو کاغذ، کپڑے یا دیوار جیسی ٹھوس شیئ پر نقش ہو۔''

مگر زیادہ حقیقت پسندانہ اور منصفانہ رویہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے کلام کے کسی ایک حصے کو ان کا یقینی منشا نہ قرار دیا جائے، بلکہ ان کی دیگر عبارات کو بھی دیکھا جائے، کلام کے سیاق وسباق پر نظر رکھی جائے، اور پورے کلام سے جو مجموعی تأثر ابھرتا ہو، اُسے ان کا منشأ اور مقصد قرار دیا جائے۔ اس طرزِ تعبیر وتشریح سے ایک تو کلام' تضاد اور تناقض سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرے اہمال اور ابطال جیسے ناپسندیدہ طرزِ تشریح کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے۔

بلا شبہ مذکورہ بالا عبارت کا ظاہری مفہوم وہی ہے جو جواز کے قائل علماء نے اخذ کیا ہے، مگر حضرتؒ کی ایک دوسری عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عکس وہ ہے جو اپنی اصل کے تابع ہو اور تصویر وہ ہے جو اصل کے تابع نہ ہو، فرماتے ہیں:

''...اور جب اس عکس کو رنگ وروغن کے ذریعہ شیشہ پر مرتسم پائیدار بنا دیا تو

اب یہی عکس تصویر بن گئی، اس لئے اس کے بعد وہ ذی ظل کے تابع نہیں رہتی، صاحب ظل یہاں سے چلا جاتا ہے، مگر تصویر آئینہ پر قائم رہتی ہے۔"(۱۰)

ایک اور مقام پر بھی حضرت نے قائم اور پائیدار کی تشریح "اصل کے تابع نہ ہونے" سے کی ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"واقعہ یہ کہ ظل اور سایہ قائم و پائیدار نہیں ہوتا، بلکہ صاحب ظل کے تابع ہوتا ہے، جب تک وہ آئینہ کے مقابل کھڑا ہے تو یہ ظل بھی کھڑا ہے، جب وہ یہاں سے الگ ہوا تو یہ ظل بھی غائب اور فنا ہوگیا..."(۱۱)

ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کے کلام میں رنگ وروغن کا ذکر ایک امر واقع کے طور پر ہے اور پائیداری سے حضرتؒ کی مراد یہ ہے کہ اصل کے تابع نہ ہو، شیخ الحدیث مفتی سید نجم الحسن امروہی مدظلہ کے بقول:

"رنگ وروغن اور مسالے کی قید احترازی نہیں، بلکہ اتفاقی ہے...... حضرتؒ کی یہ قید اتفاقی ہے بیاناً للواقع، نہ کہ احترازی۔"(۱۲)

اور اگر قیام اور پائیداری سے وہی مراد ہو جو جواز کے قائل علماء بیان کرتے ہیں کہ تصویر اپنے محل پر قرار پکڑ لے تو برقی تصویر بایں معنی بھی قائم اور پائیدار ہیں، تاہم اس کا قرار واستقرار اوراس کی پائیداری اس کی نوعیت کے مطابق ہے۔ آگے آئے گا کہ ہر چیز کی پائیداری و ناپائیداری اس کی مخصوص نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر علم وفن میں اس کے نظائر مل جاتے ہیں، مثلاً: فقہ کا قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی مخصوص نوعیت پر منحصر ہوتا ہے۔ فقہاء کہتے ہیں: "قبض کل شیء بمایناسبه" بعض چیزوں کو ہم ہاتھ میں لے سکتے ہیں، بعض کو جیب میں ڈال سکتے ہیں، مگر زمین، مکان، جہاز، وغیرہ کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورتوں میں قبضہ ان اشیاء کی نوعیت کے مطابق حکمی اور تعبیری ہوگا۔ مکان کی کنجی حوالے کردی تو سمجھا جائے گا کہ مکان کا قبضہ دے دیا گیا۔

حروف معانی کا قاعدہ ہے کہ "فـــاء" تعقیب کے لئے ہے، مگر ہر چیز کی تعقیب اس کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ شیخ جمال الدین بن ہشام الانصاریؒ جنہیں ابن خلدون نے "انحیٰ من سیبویه" کہا ہے، انہوں نے "مغنی اللبیب" میں اس کی کئی مثالیں دی ہیں، ان نظائر پر قیاس کرتے ہوئے روشنی کے لئے بھی اس کی نوعیت کے مطابق قرار کی شرط لگانی چاہئے۔ روشنی لطیف کرنیں ہیں اور کرنیں چمک سکتی ہیں، مگر رنگ کی طرح چپک نہیں سکتی ہیں۔ اس لئے روشنی میں قرار وثبات کی شرط لگانا اس میں رنگ کے خواص ڈھونڈنا ہیں۔

علاوہ ازیں جس عہد میں حضرت مفتی صاحبؒ نے مذکورہ تحریر لکھی تھی، اس کے احوال بھی حضرت مفتی صاحبؒ کا منشا سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ حضرت کا رسالہ جیسا کہ معلوم ہے حضرت سید

سلیمان ندویؒ کے جواب میں تھا، حضرت سید صاحبؒ نے فوٹو میں پائیداری کی شرط کو غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا، ان کی عبارت ہے:

> ''فوٹو گرافی درحقیقت عکاسی ہے۔ جس طرح آئینہ، پانی اور دیگر شفاف چیزوں پر صورت کا عکس اتر آتا ہے اور اس کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا، اسی طرح فوٹو کے شیشہ پر مقبل صورت کا عکس اترتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ آئینہ وغیرہ کا عکس پائیدار اور قائم نہیں رہتا اور فوٹو کا عکس مسالہ لگا کر قائم کرلیا جاتا ہے، ورنہ فوٹو گرافر مصور کی طرح اعضاء کی تخلیق وتکوین نہیں کرتا۔''(۱۳)

حضرت مفتی صاحبؒ کے پیش نظر عکس اور فوٹو کے مابین فرق بیان کرنا تھا اور اس زمانے میں ٹیکنالوجی بس اس حد تک تھی کہ صرف رنگ وروغن کے ذریعہ ہی تصویر کو پائیدار بنایا جاسکتا تھا، مگر اب جب کہ ٹیکنالوجی کی ترقی سے تصویر کو رموز واشارات کی صورت میں بھی محفوظ کرنا ممکن ہوگیا ہے، تو اسے بھی تصویر کہنا چاہئے۔

خود حضرت مفتی صاحبؒ بھی تصویر کے لئے اپنے محل پر چھپ جانے کی شرط کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس خیال کی تائید حضرتؒ کے اس فتوی سے ہوتی ہے، جس میں انہوں نے سینما کی تصویر کو بھی تصویر محرم قرار دیا ہے، حالانکہ سینما کے پردے پر صرف روشنیاں پڑتی ہیں اور اس پر اس طرح نہیں چھپتیں جس طرح حروف کاغذ پر چھپ جاتے ہیں:

> ''اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سینما کا دیکھنا اگر دوسری خرابیوں سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس کی ممانعت کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ اس میں تصاویر دکھلائی جاتی ہیں۔''(۱۴)

اس کے علاوہ ساٹھ کی دہائی میں ہمارے ملک میں ٹی وی کی آمد ہو چکی تھی، جس کے بعد ایک مدتِ مدید تک حضرت مفتی اعظمؒ حیات رہے ہیں، مگر اس عرصے کا کوئی ایسا فتویٰ نظر سے نہیں گزرا، جس میں انہوں نے ٹی وی کی تصویر کو ناپائیدار ذرات کی وجہ سے تصویر کی تعریف سے خارج قرار دیا ہو۔ یہ منطقی نقض اس موقع پر وارد کرنا درست ہوگا کہ عدم کو دلیل بنانا درست نہیں، یعنی اگر جواز کا فتویٰ حضرت سے منقول نہیں تو عدم جواز بھی ان سے ثابت نہیں۔ مگر سینما کے بارے میں حضرت مفتی اعظمؒ کا جو فتویٰ اوپر منقول ہوا، اس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ حضرتؒ کے نزدیک ٹی وی کی تصویر بھی حرام تصویر ہی تھی، کیونکہ سینما کی تصویر ٹی وی کی تصویر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ناپائیدار رہے۔

ان حقائق کے باوجود اگر قرار وثبات کی شرط کوئی منصوصی شرط ہوتی تو اس پر اصرار نہ صرف درست اور مناسب تھا، بلکہ از روئے شرع لازم اور ضروری تھا، مگر نصوص میں ایسی کسی شرط کا ذکر نہیں ہے۔ احادیث مطلق ہیں، جن میں بغیر کسی قید کے تصویر کی حرمت وارد ہے۔ محدث العصر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں:

''حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو وعید شدید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے ....''(۱۵)

فقہاء کا کلام بھی عام ہے، جس میں پائیدار و ناپائیدار کی تخصیص نہیں اور لغت کی دلالت برقی منظر کو بھی شامل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عرف میں بھی اُسے تصویر سمجھا جاتا ہے۔ لغت اور عرف کی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

''والحق أنه لا ينبغي تكلف أي فرق بين أنواع التصوير المختلفة حيطةً في الأمر ونظراً لإطلاق لفظ الحديث''(۱۶)

ترجمہ: ''حق بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ مطلق ہونے پر نظر کرتے ہوئے اور حکم کو جامع بنانے کے لئے تصویر کی مختلف اقسام کے درمیان فرق کا تکلف کرنا مناسب نہیں''۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) اس بحث سے ان آلات کا حکم بھی واضح ہو جاتا ہے جو یاد رکھنے اور محفوظ کرنے کے کام آتے ہیں اور جن میں عارضی یا مستقل طور پر ڈیٹا کو محفوظ کیا جاتا ہے، جیسے سی ڈی (Cd)، ریم (Ram)، وی سی ڈی (vcd)، ڈی وی ڈی (dvd)، فلاپی ڈسک (Floppy Disk) اور ہارڈ ڈسک (Hard Disk) وغیرہ۔

غور کرنے سے ڈیٹا محفوظ کرنے والے یہ آلات چند قسم کے معلوم ہوتے ہیں: بعض وہ آلات ہیں جو عارضی طور پر ڈیٹا کو محفوظ کرتے ہیں، جیسے: ریم وغیرہ۔ جب تک کمپیوٹر کو بجلی کی فراہمی بحال ہے اور کمپیوٹر چل رہا ہے، ریم میں ڈیٹا محفوظ رہتا ہے اور اگر بجلی منقطع ہو جائے یا غلطی سے کمپیوٹر بند کر دیا جائے تو ریم میں موجود سارا کا سارا ڈیٹا ضائع ہو جاتا ہے، اسی لئے ڈیٹا بار بار محفوظ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اور جب ہم ڈیٹا (save) کرتے ہیں تو اس کا مطلب ریم سے ہارڈ ڈسک میں ڈیٹا کی منتقلی ہوتا ہے، تاکہ وہ محفوظ رہے۔ کچھ وہ آلات ہیں جن میں مستقل طور پر ڈیٹا محفوظ رہتا ہے، جیسے: ہارڈ ڈسک اور فلاپی ڈسک وغیرہ۔ پھر ان ڈیٹا محفوظ کنندہ آلات میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن میں ڈیٹا پتھر پر لکیر کے مانند ہوتا ہے، مثلاً: ریڈ ایبل سی ڈی، وغیرہ۔ سی ڈی کے برعکس فلاپی ڈسک اور ہارڈ ڈسک میں مقناطیسی خواص کی بدولت ڈیٹا بدلا جا سکتا ہے، گویا یہ قسم ان پرزہ جات کی ہے، جن میں تبدیلی ممکن ہے۔ ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' یہ مصرعہ زمانہ حال میں ٹیکنالوجی پر خوب صادق آتا ہے۔ اب سی ڈی میں بھی ڈیٹا کی تبدیلی ممکن ہو چلی ہے۔ بہرحال ان آلات میں جو کچھ بھرا جاتا ہے، اُسے بعد ازاں کمپیوٹر اسکرین، ایل سی ڈی، یا ہائی ایف ٹی کے پردے پر دیکھا جا سکتا ہے۔

سی ڈی وغیرہ آلات کا شرعی حکم وہی ہے جو ایک خالی آڈیو کیسٹ کا ہوتا ہے۔ آڈیو کیسٹ کا حکم اس کے مواد کے تابع ہوتا ہے۔ تلاوت، نعتیں، نظمیں، تقریریں وغیرہ اس میں بھرنا جائز ہے اور ایسی کیسٹ کی خرید وفروخت بھی جائز ہوتی ہے اور اگر اس میں ناجائز مواد بھرا جائے، مثلاً: گانے وغیرہ تو بھرائی کا یہ عمل بھی ناجائز اور اس کا خریدنا بیچنا بھی ناجائز ہوتا ہے۔ یہی حکم سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ کا بھی ہے، البتہ اگر سی ڈی، ڈی وی ڈی، وغیرہ میں علاوہ جان دار کی شکلوں اور صورتوں کے، کوئی اور شرعی محظور نہ ہو تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ جواب کا مدار ان شکلوں اور صورتوں کے تصویر ہونے یا نہ ہونے پر ہے اور ہماری اس کاوش کا مقصد اسی کا تعین کرنا ہے۔

جس سی ڈی میں تصویریں ہوں، وہ اگر سامنے ہو تو نماز بلا کراہت جائز رہے گی، کیوں کہ بحالت موجودہ اس میں عکس یا تصویر کا مواد ہے، حقیقی عکس یا تصویر نہیں اور اگر تصویر فرض کر لی جائے تو فقہ کا مسئلہ ہے کہ تصویر اگر مستور ہو، یعنی تھیلی میں یا جیب میں ہو یا کپڑے میں لپٹی ہوئی ہو

یا مٹی سے لیپ دی گئی ہو تو اس کے سامنے یا اس کے ساتھ نماز بغیر کراہت جائز ہوتی ہے۔ جو اہل علم سی ڈی کا مواد اسکرین پر ظاہر ہونے کے بعد بھی اس کے تصویر ہونے کے قائل نہیں، ان کی رائے پر تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

"(۲۸۴۵) وان طینت رء وس التماثیل بالطین حتی محاها الطین فلم تستبن فلاباس بذالک (۲۸۴۶) وکذالک لو کان التماثیل فی بیت فاذهبت وجوهها بالطین أو الجص فإن الکراهة تزول به وإن کان بحیث لو شاء صاحبها نزع الطین". (شرح السیر الکبیر، ص: ۱۴۶۴، ۱۴۶۳، باب مایکره فی دار الحرب ومالایکره، ط: المکتب للحرکة الثوریة الإسلامیة، افغانستان)

ترجمہ: ...... "اگر تصویروں کے سروں کو مٹی سے اس طرح لیپ دیا جائے کہ مٹی اُنہیں مٹادے اور وہ واضح نہ ہوں تو (ایسی تصاویر کے استعمال میں) کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح کسی گھر میں تصاویر ہوں اور مٹی یا چونے سے ان کی شکلیں مٹادی جائیں تو اس طرح کرنے سے کراہت زائل ہو جائے گی، اگرچہ ان کو اس طرح لیپا گیا ہو کہ مالک چاہے تو مٹی ان سے ہٹادے"۔

"لاتکره أمامه من فی یده تصاویر لأنها مستورة بالثیاب لاتستبین فصارت کصورة نقش خاتم.۱ھ. ومفاده کراهة المستبین لاالمستتر بکیس أو صرة أو ثوب آخر (قوله: أو ثوب آخر) بأن کان فوق الثوب الذی فیه صورة ثوب ساتر له فلا تکره الصلٰوة فیه لاستتارها بالثوب". (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب مکروهات الصلوة، ۱/۶۴۸، ط: سعید)

(۲) قبلہ نما، ص: ۳۳، مطبع قاسمی دیوبند، سن: ۱۹۲۶ء۔

(۳) آداب الزفاف للألبانی، بحوالہ تکملہ فتح الملہم، کتاب اللباس والزینۃ، حکم الصور الشمسیۃ، ص: ۹۷، ج: ۴، ط: دار القلم، دمشق۔

(۴) آپ کے مسائل اور ان کا حل، فلم دیکھنا، ج: ۸، ص: ۴۴۲، ۴۴۱، ط: مکتبۂ لدھیانوی۔

(۵) احسن الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، رسائل، ٹی وی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر، ج: ۸، ص: ۳۰۲، ط: سعید۔

(۶) ایضاً، کتاب الحظر والاباحۃ، رسائل، ٹی کا زہر ٹی بی سے مہلک تر، ج: ۸، ص: ۳۰۲، ط: سعید۔

(۷) ایضاً۔

(۸) ماہنامہ "بینات" شوال المکرم ۱۴۰۸ھ بمطابق جون ۱۹۸۸ء، جلد: ۵۰، شمارہ: ۱۰۔

(۹) تصویر کے شرعی احکام، ص: ۶۰، ادارۃ المعارف، کراچی۔

(۱۰) ایضاً۔

(۱۱) حوالہ بالا، ص: ۵۹۔

(۱۲) ڈیجیٹل کیمرے کی تصویر کی حرمت پر مفصل مدلل فتویٰ، تالیف: مفتی نجم الحسن امروہی، ص: ۱۰۶، ۱۴۴، ط: جامعہ دار العلوم یاسین القرآن۔

(۱۳) مجسمہ اور تصویر کے متعلق اسلام کا شرعی حکم، معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۱۹ء بمطابق محرم الحرام ۱۳۳۸ھ جلد: ۴، شمارہ: ۴۔

(۱۴) تصویر کے شرعی احکام، ص: ۹۰، ادارۃ المعارف، کراچی۔

(۱۵) ماہنامہ "بینات" شعبان ۱۳۸۸ھ، جلد: ۱۳، شمارہ: ۲۔

(۱۶) فقہ السیرۃ، ص: ۳۸۰، شیخ محمد سعید رمضان البوطی رحمۃ اللہ علیہ، بحوالہ تکملہ فتح الملہم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم تصویر الحیوان الخ، حکم الصور الشمسیۃ، ص: ۹۷، ج: ۴، ط: دار القلم، دمشق۔

(جاری ہے)

قدیم اور جدید معاشی نظریات کا تعارف

مفتی عارف محمود
استاذ و رفیق شعبہ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی

(دوسری قسط)

عہد قدیم میں تجارتی اور سودی قرضے

اس بات سے ہر سلیم الفطرت شخص واقف ہے کہ سود کی بنیاد ظلم پر ہے کہ مالدار شخص غریب کی حاجت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور اپنے لئے مقررہ نفع کی ضمانت ہر حال میں مشروط کرلیتا ہے، چاہے معاملہ کی ابتداء میں ہو یا وقت ادائیگی میں مزید مہلت دیتے وقت ہو۔ (القرض المصرفی للدکتور محمد علی البنا، باب تمہیدی، التطور التاریخی للقرض، المطلب الثانی، أنواع القروض عند العرب، ص: ۵۷، ۵۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

آج کی دنیا میں رائج معاشی نظام درحقیقت ایک مکمل سودی نظام ہے، جس کے تانے بانے زمانہ جاہلیت کے سودی معاملات سے ملے ہوئے ہیں۔ سود سے بحث کرنے والے حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ قبل از اسلام عصر جاہلیت میں صرفی قرضوں کے ساتھ تجارتی اور پیداواری قرضوں کا بھی بھرپور رواج تھا، جن کی عمومی بنیاد سودی نفع پر تھی، مذکورہ نوعیت کے قرضے اہل عرب کے لئے اجنبی نہ تھے۔ (سود پر تاریخی فیصلہ، ص: ۵۴، ۶۰-۶۶)

اسلام سے پہلے حضرت عباس اور خالد بن ولید (رضی اللہ عنہما) نے زمانہ جاہلیت میں سودی شراکت کی تھی، بنو عمرو تجارتی بنیادوں پر بنو مغیرہ کو قرضے دیا کرتے تھے۔ (الدر المنثور للسیوطیؒ: ص: ۳۷۴، دار ہجر، مصر)

علامہ سیوطیؒ اور علامہ ابن جریر الطبریؒ نے اس سودی کاروبار کی نوعیت کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کان ربا یتبایعون به فی الجاهلیة". (تفسیر الطبری: ۵/۵۱، دار ہجر، مصر)

ترجمہ: "یہ وہ سود تھا، جس سے دور جاہلیت میں لوگ لین دین کرتے تھے"۔

بنو ثقیف کے ان قبائل کے تجارتی معاملات اور قرضوں کی نوعیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا آپس میں سودی لین دین صرفی قرضوں (Consumption Lons) کی بنیاد پر نہیں، بلکہ تجارتی قرضوں (Commercial Lons) کی بنیاد پر تھا، اور ان قبائل اور سودی قرضے دینے والوں کی حیثیت آج کی اصطلاح میں تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔ (القرض المصرفی للدکتور

محمد علی البنا، باب تمہیدی، التطور التاریخی للقرض، المطلب الثانی، أنواع القروض عند العرب، ص: ۵۷، ۵۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) ۔

جدید معاشی نظریات

آج دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف معاشی نظام رائج ہیں، ان میں سب سے غالب اور نمایاں سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) ہے، عربی زبان میں اسے ''الرأسمالیة'' کہا جاتا ہے، ۱۹۹۱ء تک روس جو ''سویت یونین'' کے نام سے ایک عالمی قوت کا درجہ رکھتا تھا، وہاں اشتراکیت (sochillsm) کے غلغلے تھے، عربی زبان میں اُسے ''الاشتراکیة'' کہتے ہیں، اور اسی کی انتہائی صورت اشتمالیت (communism) ہے، جسے عربی میں ''الشیوعیة'' کہا جاتا ہے، جہادِ افغانستان کے نتیجے میں روس بطور ''یونین'' دنیا کے نقشے میں باقی نہ رہا، چین بھی اس شکست کے بعد عملاً سوشلزم کے اصولوں سے دستبردار ہو چکا تھا۔ ان دونوں ممالک کے مقبوضہ علاقوں میں اشتراکیت اگرچہ اب ایک معاشی نظام کے طور پر باقی نہیں، لیکن ایک سیاسی قوت اور ناکام نظریۂ حیات کے طور پر تاریخ کا حصہ ضرور ہے۔

سرمایہ داریت اور اشتراکیت کی جائے پیدائش چوں کہ یورپ ہے، اس لئے وہاں کی تاریخ کا ایک سرسری سا جائزہ لیں گے، تاکہ ان نظاموں کا پس منظر، مزاج اور نفسیاتی محرکات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ یورپ اور اس کے حواری آج مادی ترقی کی معراج اور تسخیرِ کائنات کے جتنے بلند بانگ دعوے کرتے نظر آرہے ہیں، اتنے ہی یہ قرونِ وسطی یعنی ۱۳۰۰ء سے ۱۴۰۰ء تک سیاسی، معاشی اور مذہبی اعتبار سے تاریخ کے انتہائی سیاہ اور تاریک حالات کا شکار رہے ہیں۔

اسلام جو دینِ فطرت ہے، انہی ایام میں عرب کے پہاڑوں اور ریگزاروں سے نکل کر چہار دانگ عالم میں پیغامِ الٰہی کے زمزمے سنا رہا تھا۔ مسلمان قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کو تاراج کرتے ہوئے مصر اور شمالی افریقہ تک جا پہنچے، یہاں تک انہوں نے ۶۵۰ء میں یورپ کے عظیم الشان ملک اسپین کو بھی فتح کرنے کے بعد لوگوں کو انسان کی غلامی سے چھڑا کر ان پر قانونِ الٰہی نافذ کر دیا تھا۔

جاگیردارانہ نظام

قرونِ وسطی کے اس پورے عہد میں یورپ کی معاشی زندگی کا دارومدار جاگیردارانہ نظام پر تھا۔ زرعی پیداوار ہی واحد ذریعہ معاش تھا، صنعت وتجارت نہ ہونے کے برابر تھیں۔ تجارت کی راہیں مسدود ہونے میں ایک طرف عیسائی کیتھولک مذہب کی طرف سے تاجر پر عائد پابندیوں کا دخل تھا تو دوسری طرف بیرونی دنیا سے رابطے کے تمام سمندری راستوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اس لئے کاروبار کو ترقی دینا، یا زیادہ دیر تک چلانا ممکن نہ تھا، لہٰذا پوری معاشی زندگی کا انحصار زراعت اور زمین کی پیداوار پر موقوف تھا۔

جاگیردارانہ نظام میں اگرچہ زمیندار، جاگیردار اور کاشتکار کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ تھا، مگر عملی طور پر کاشتکار اور جاگیردار کا تعلق بالکل غلام اور آقا والا تھا، جاگیرداروں نے اس قدر طاقت وقوت حاصل کرلی

تھی کہ وہ کسانوں کے سیاہ وسفید کے مالک بنے ہوئے تھے، مرکزی حکومت اس وقت برائے نام تھی، رعایا کے حقوق اور جان ومال کی حفاظت ان کے دست قدرت سے باہر ہوچکی تھی، نفاذ قانون کا کام بھی جاگیرداروں کے قبضے میں آچکا تھا، رعایا (کسانوں) کے لئے ان کاظلم وستم برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

عیسائی کیتھولک کلیسا کی پورے یورپ پر مذہبی اجارہ داری تھی۔حکمرانوں سے زیادہ پوپ کا رعب تھا، اسے خدائی اختیارات حاصل تھے۔مالدار اور جاگیردار غریبوں پر مظالم کے پہاڑ توڑنے کے بعد ایک مقررہ قیمت ادا کرکے ''مغفرت نامہ'' حاصل کرلیتے، دنیاوی گرفت کے ساتھ اخروی پکڑ سے بھی خود کو مامون کرتے۔ان تمام چیرہ دستیوں کی تان جس طبقے پر ٹوٹتی وہ کسانوں کا طبقہ تھا، وہ دوہرے مظالم کی چکی میں پس رہے تھے۔ایک طرف جاگیرداروں کا سنگدل گروہ انتہائی بے دردی سے ان کا خون چوس رہا تھا تو دوسری طرف کلیسا کے مذہبی ٹھیکیداران کی ہڈیوں کا گودا نکال رہے تھے۔

جاگیردارانہ نظام کا زوال اور عہدِ جدید کا آغاز

تیرھویں اور چودھویں صدی میں یورپ کے حالات میں بڑے پیمانے پر تبدیلی آنا شروع ہوئی، اس کا اہم سبب اسلام اور عیسائیت کے درمیان لڑی جانے والی صلیبی جنگیں تھیں، جس کے نتیجہ میں مشرقی بحیرہ روم اور اس کے بڑے جزیرے مسلمانوں کے تسلط سے نکل کر اہل یورپ کی دسترس میں آگئے۔ان جنگوں کی بدولت جہازرانی اور تجارت ارتقاء پذیر ہوئے، تاجروں اور ساہوکاروں کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آیا، جوان جنگوں میں شریک ہونے والے فوجی سرداروں اور جاگیرداروں کو مالی امداد بطور قرض دیا کرتے تھے۔تجارتی ترقی اور سرمایہ داروں کے اس نئے طبقے نے آہستہ آہستہ جاگیرداری نظام میں دراڑیں ڈال دیں۔

جاگیرداروں کی چیرہ دستیوں سے یورپی عوام اور حکمران دونوں تنگ تھے، لہٰذا وہاں کے بادشاہوں نے عوامی تائید کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور یورپ کے اکثر ممالک خصوصاً انگلستان اور فرانس میں پائیدار مرکزی حکومتیں قائم کیں، اور تجارت وصنعت کی خود براہ راست سرپرستی کرکے انہیں خوب ترقی دی۔۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے قبضے سے آبنائے باسفورس اور اہل یورپ کی مشرقی ممالک سے تجارتی گزرگاہیں مسلمانوں کے زیرتصرف آگئیں، جس کی وجہ سے اہل یورپ کو نئے بحری راستوں کو تلاش کرنا پڑا، جب کہ دوسری طرف ۱۴۹۲ء میں عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ (Frdi Nand) اور ملکہ ازابیلا (Isabella) کے گٹھ جوڑ اور سازشوں کی وجہ سے اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو سال سے قائم حکومت کا خاتمہ ہوا، وہاں ایک عیسائی ریاست کی داغ بیل ڈالی گئی۔

۱۵۹۸ء میں اہل مغرب نے واسکوڈی گامہ (Vascode Gama) کی سرکردگی میں ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، جب کہ اندلس کے باشاہ اور ملکہ کی سرپرستی میں کولمبس (Columbus) نے مسلمان جہاز رانوں کی مدد سے امریکہ کا نیا براعظم دریافت کرلیا تھا۔امریکہ کی دریافت اور ہندوستان کے بحری راستوں کی تلاش سے یورپ کی تجارت، صنعت اور زراعت میں نمایاں اور ایسی

بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جنہیں مجموعی طور سے ایک صنعتی انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس صنعتی انقلاب سے اہل یورپ کے لئے صنعت اور تجارت کے لئے ایک وسیع میدان میسر ہوا، نئی نئی صنعتیں وجود میں آنے لگیں، بڑے بڑے شہر آباد ہوئے، غرض سولہویں صدی کے ان بدلے ہوئے حالات کے سامنے قرونِ وسطیٰ کے جاگیرداری نظام نے دم توڑ دیا۔

سترھویں سے اٹھارویں صدی تک مطلق العنان شاہی نظام اپنے پورے جوبن پر رہا، ہر طرف خودمختار بادشاہی کا راج تھا، عوام کو نہ تو شخصی حقوق حاصل تھے اور نہ ہی سیاسی حقوق۔ انسانی جوائج اور مصالح عامہ کے حق میں آواز اٹھانا شہنشاہیت کی شان کے خلاف تھا۔ یورپ اور کلیسا نے جاگیردارانہ نظام کے خاتمے کے نتیجے میں ابھرنے والی علمی تحریک کی ابتدا میں شدید مخالفت کی، اس تحریک کے علمبرداروں کو انتہائی شدید اور سخت ترین سزائیں دیں، حتیٰ کہ اس تحریک کے ایک معروف رہنما جان ہس (John Huss) اور اس کے شاگرد جیروم (Jerome) کو نذرِ آتش کیا گیا۔ کلیسا کے ان لرزہ خیز مظالم اور نام نہاد مذہبی پیشواؤں کی تنگ نظری اور نفس پرستی بالآخر ان کے لئے موت کا پھندا بن کر رہی۔

اصلاحِ مذہب، جدید سائنسی تحقیقات اور فلسفے میں نئے افکار ونظریات کی نومولود تحریک چونکہ حقیقی بیداری کا نتیجہ تھی، اس لئے تشدد سے دبنے کی بجائے مزید آگے بڑھتی چلی گئی۔ آزادیِ فکر اور جدت پسندی کے سیلاب نے مذہبی اقتدار کا خاتمہ کردیا۔ اس نئی تحریک کے نتیجے میں جیسے کلیسا کے مذہبی اقتدار کا خاتمہ ہوا، قریب تھا کہ عیسائی مذہب ہی کی جڑیں اکھڑ جاتیں اور اس کا مکمل خاتمہ ہوجاتا کہ عیسائیوں میں پروٹسٹنٹ (Protestant) کے نام سے ایک نیا فرقہ وجود میں آیا، جس نے مذہب کو دنیا سے جدا قرار دیا، جدید علمی تحقیقات کی حوصلہ افزائی کی، حکمرانوں اور بڑے بڑے رئیسوں کی آغوش میں پناہ لے کر ان کے ہر جائز وناجائز کام کی تائید کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ روشن خیال اور آزاد فکر طبقہ نے نہ صرف مذہب کا انکار کیا، بلکہ وہ سرے سے خدا کے وجود ہی کے منکر بن بیٹھے، یوں اس طرح یورپ میں جنم لینے والے جدید فلسفہ اور نظریات، خالص مادیت، دہریت اور الحاد کا شکار ہوتے چلے گئے۔ نئے سیاسی انقلابات اور جدید معاشرے نے قدیم مذہب اور اخلاقی روایات کی ہر قید سے آزاد ہوکر ایک سیاسی دنیا بنائی، جس میں قدیم جاہلیت کی رسموں، طور طریقوں اور معاشی اصطلاحات کو جدیدیت اور آزادیٔ فکر کے خوشنما لبادے میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔

سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism)

گزشتہ صفحات میں جاگیردارانہ نظام کی حقیقت، پس منظر، زوال کے اسباب اور عہد جدید کا تذکرہ آچکا ہے، اسی کے ذیل میں صنعتی انقلاب کے بارے میں کچھ سطور لکھی گئی تھیں، اب مزید اس بارے میں وضاحت پیش خدمت ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں صنعتی انقلاب نے مزید ترقی کی، بھاپ اور بجلی کی ایجاد واستعمال نے

صنعت وحرفت ،زراعت ومواصلات کے شعبوں کو چار چاند لگا دیئے،زندگی کے ہر شعبے میں ہونے والی عجیب وغریب ایجادات سے اہل یورپ کی زندگی کا نقشہ ہی بدل گیا۔دستکاریوں کی جگہ ملوں ،کارخانوں اور فیکٹریوں نے لے لی۔گاؤں اور دیہات کے لوگ حصول روزگار کے لئے شہروں کا رخ کرنے لگے،جس کے نتیجے میں بڑے بڑے شہر وجود میں آ گئے۔اسبابِ راحت وتعیش بآسانی دستیاب ہونے لگے،اورنفسیانی خواہشات کی تکمیل کا ایک نہ رکنے والا اسیلاب اُمڈ آیا،مگر خالص مادی اور لادینی بنیادوں پر حاصل کی جانے والی صنعتی ترقی اس عیارانہ نظامِ سرمایہ داری (Capitalism) کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ،جس کے بے رحم جال میں پھنسنے کے بعدعوام کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ موت اس جال کی گرفت میں زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے،یا جاگیرداروں کی اس چکی میں جس کے درمیان وہ کئی سال پستے رہے تھے۔

صنعتی انقلاب اوراس کی پیدا کردہ خوشحالی پرسود، سٹے اور قمار وغیرہ کے ذریعہ چند سرمایہ دار اورمہاجن سانپ بن کر بیٹھ گئے۔انہوں نے صنعت وتجارت کا جونظام قائم کیا،اسی نظام کونظام سرمایہ داری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔زیرنظرتحریر میں گفتگو نظام سرمایہ داری کے اصل فلسفے سے ہورہی ہے،اس کی رائج الوقت صورتوں سے نہیں۔ بعد کے حالات سے مجبور ہوکرمختلف ممالک نے اس نظام میں کچھ ترمیم شروع کی ،جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔صنعت وتجارت میں حکومت کا دخل بڑھ رہا ہے اورفرد کی آزادی گھٹ رہی ہے،تاہم یہ ترمیمیں ایسی جزوی اورغیرمؤثر ہیں کہ ان سے معاشرے کے مجموعی حالات پرکوئی گہرا اثر مرتب نہیں ہوتا اور وہ الجھنیں ختم نہیں ہوتیں جن سے اس نظام کا خمیر تیار ہوا ہے۔

معیشت کے بنیادی ستون کہلانے والے چار مسئلوں کا جوحل اس نظام نے پیش کیا ہے،اس پر گفتگو کرنے سے پہلے اس کی حقیقت پرکلام کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے،تا کہ اس نظام کی بنیادوں ،اہم اصول اورنتائج سے بھی واقفیت حاصل ہو جائے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی حقیقت

اس نظام کا بنیادی اصول ''بے قید مشقت'' ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ صنعت وتجارت اورکسب معاش کے تمام طریقے اورمعاشیات کا پورا نظام ہرقسم کے سرکاری قانون اور مذہبی پابندیوں سے کامل طور پرآزاد ہونا چاہئے،حکومت اور مذہب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ فرد کے معاشی اور اقتصادی نظام میں کسی قسم کی مداخلت کرے۔فرد کی حد سے بڑھی ہوئی یہ آزادی اس مفروضے پرقائم ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے برے کی سمجھ خود رکھتا ہے،اس کو یہ بتانے کی نہ حکومت کوضرورت ہے کہ وہ اپنا معاشی کاروبار کیسے چلائے،اورنہ کسی معلم اخلاق کی ضرورت ہے جوحرص وطمع سے باز رہنے اور ایثار وسخاوت جیسی صفات کی تلقین کرے۔رہا مذہب تو وہ ایک ڈھونگ ہے،جس کی پیروی آزادیٔ فکر کے اس دور میں ایک مہذب انسان کو زیب نہیں دیتی۔

انفرادی ملکیت خواہ وسائل پیداوار کی شکل میں ہو، یا عام اشیاء ، وہ کلی طور پرآزاد ہوتی ہیں۔

خرید وفروخت کی جو بھی صورت فریقین کی باہمی رضامندی سے طے پائے اُسے روکنے کا نہ مذہب کو اختیار ہے، نہ کسی حکومت کو۔ افراد ہر طرح سے آزاد ہوتے ہیں کہ جس طرح چاہیں نفع کمائیں، اس مقصد کے لئے پیداوار کو جس قدر چاہیں گھٹائیں یا بڑھائیں، پیداوار جس قسم کی چاہیں تیار کریں، کسی قسم کی کوئی قانونی یا مذہبی تحدید عائد نہیں کی جاسکتی۔

اس نظام میں جس طرح حصولِ ''انفرادی ملکیت'' کے تمام ذرائع میں فرد کو کھلی چھٹی دی گئی ہے، اسی طرح خرچ وصرف کے معاملے میں بھی اس سے کوئی باز پرس نہیں۔ مادی منافع کے علاوہ کسی دوسری مد میں دولت کا خرچ کرنا ناپید ہوتا ہے، نہ ہی کوئی مذہب یا قانون فرد سے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ اس پورے نظام میں ذاتی نفع کو کل معاشی نظام کی روح قرار دیا گیا ہے۔ ذاتی نفع کی خاطر ہر وہ طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے، جو اس کے لئے مفید ہو، اگرچہ اس میں ملک وقوم کا نقصان ہو رہا ہو، اس حوالے سے وہ کسی کو جوابدہ نہیں۔

بنیادی معاشی مسائل

یہ بات تو معاشی مفکرین کے نزدیک مسلم ہے کہ انسانی ضروریات اور خواہشات انسانی وسائل کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ دستیاب وسائل کو اس طرح استعمال کرنا کہ زیادہ سے زیادہ ضرورتیں پوری ہوجائیں، اُسے معاشیات، اقتصاد اور انگریزی زبان میں اکنامکس (Economics) کہتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے معیشت کے چار بنیادی مسائل ہیں، جن کو حل کئے بغیر کسی بھی معیشت کی گاڑی نہیں چل سکتی، وہ مسائل درج ذیل ہیں:

۱:......ترجیحات کا تعین (Determinatian of Priorties)

فرد اور ملک کے وسائل محدود ہوتے ہیں، ان کے ذریعے تمام انسانی خواہشات کی بیک وقت تکمیل ناممکن ہے، لہٰذا یہ متعین کرنا کہ ان وسائل کے ذریعے کن ضروریات کو پورا کیا جائے؟ اور کس چیز کی پیداوار کو ترجیح دی جائے؟ کون سی ضرورت اور خواہش کو مقدم کیا جائے اور کس کو مؤخر کیا جائے؟ اس مسئلہ کا نام ''ترجیحات کا تعین'' ہے۔

۲:......وسائل کی تخصیص (Allocatian of Resources)

وسائل پیداوار، سرمایہ، محنت اور زمین کو کن کن کاموں میں اور کس مقدار سے لگایا جائے؟ زمین پر کیا اگایا جائے؟ کارخانوں سے کس طرح کی اشیاء اور مصنوعات حاصل کی جائیں؟ اس بات کا فیصلہ ''وسائل کی تخصیص'' کہلاتا ہے۔

۳:......آمدنی کی تقسیم (Distributian of Income)

مذکورہ بالا وسائل کو استعمال میں لانے کے بعد ان سے حاصل شدہ پیداوار، یا آمدنی کو کس

طرح اور کن بنیادوں پر تقسیم کیا جائے؟ یہ ''آمدنی کی تقسیم'' کہلاتی ہے۔

۴:......ترقی (Development)

معاشی حاصلات کو ترقی دینا کہ ان سے حاصل شدہ پیداوار کمیت وکیفیت کے لحاظ سے اچھی ہو، اسباب معیشت میں اضافہ ہو اور نئی ایجادات وجود میں لائی جائیں، تاکہ لوگوں کو ذرائع آمدن بسہولت مہیا ہوں، اور معاشرہ ترقی پذیر ہو سکے، اس بات کو معیشت کی اصطلاح میں ''ترقی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بنیادی معاشی مسائل کا حل اور سرمایہ دارانہ نظام

ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب اپنی کتاب ''اسلام کا معاشی نظام'' میں بعنوان ''سرمایہ دارانہ نظام کا حل'' لکھتے ہیں: ''سرمایہ دارانہ نظام نے انسان کے معاشی مسئلہ کے حل کی بنیاد دو باتوں پر رکھی ہے:

۱:......فرد کو اس کے معاشی مسئلہ کے حل کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے، یعنی اس کی معاشی سرگرمیوں پر کسی قسم کی اخلاقی یا قانونی پابندی نہ ہو، وہ جس طریقہ یا ذریعہ سے چاہے کمائے اور اس کمائی ہوئی دولت کو جس طرح چاہے خرچ کرے، وہ جو ذریعہ معاش اپنے لئے چاہے پسند کرے، اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو۔

۲:......ریاست فرد کی معاشی سرگرمیوں میں دخل اندازی نہیں کرے گی، بلکہ ان کی دیکھ بھال کرے گی، انہیں قانونی تحفظ دے گی، جس کے عوض فرد ریاست کو چند ٹیکس بطور معاوضۂ حفاظت اور سہولت ادا کرے گا۔

سرمایہ دارانہ نظام نے تین اصولوں کی روشنی میں معیشت کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی:

۱:......ذاتی ملکیت (Private Property)

اس نظام کا پہلا اصول اور فلسفہ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی اشیاء چاہے ان کا تعلق استعمال سے ہو، یا پیداوار سے ہو، انہیں وہ اپنی ذاتی ملکیت میں رکھ سکتا ہے۔

۲:......ذاتی منافع کا محرک (Profit Motive)

پیداوار کے عمل میں ذاتی منافع کے حصول کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہی چیز اساسی محرک قرار پایا ہے۔

۳:......حکومت کی عدم مداخلت (Laissez faire)

''کرنے دو'' کی پالیسی کے تحت تیسرا اصول یہ اپنایا گیا ہے کہ تجارتی معاملات میں حکومت تاجر کو تنگ نہیں کرے، اسے کھلی چھوٹ حاصل ہوگی کہ وہ جس طرح چاہے تجارت کرے، حکومت اس کی

معاشی سرگرمیوں میں مداخلت نہیں کرے گی، اگرچہ بعد میں اس پالیسی پر مکمل عملدرآمد نہیں کیا جاسکا۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں حکومت کی مداخلت کسی نہ کسی عنوان سے جاری رہتی ہے، جو اس کے اصول اور فلسفہ کے خلاف ہے۔

معاشی مسائل حل کرنے کا طریقہ کار

معیشت کے بنیادی مسائل کے حل کے لئے سرمایہ دارانہ نظام نے ذاتی منافع کے محرک کا سہارا لیا۔ اس نظام کا کہنا یہ ہے کہ ان چاروں مسائل کو حل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر انسان کو تجارتی اور صنعتی سرگرمیوں کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے، اور اسے اختیار دیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے جو طریقہ بھی وہ مناسب سمجھے اُسے اختیار کرے، تو مذکورہ مسائل خود بخود ہی حل ہوتے چلے جائیں گے، کیوں کہ ہر شخص زیادہ نفع کی لالچ میں وہی کام کرے گا جس کی معاشرے کو ضرورت ہے، کیوں کہ دنیا میں قانون رسد وطلب (Supply and Demand) کارفرما عمل ہے، لہٰذا اگر تاجر کو زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے نفع کی خاطر وہ چیز مارکیٹ میں لائے گا جس کی ضرورت یا طلب زیادہ ہوگی، اسی طرح معاشرے میں انہی اشیاء کی پیداوار بڑھے گی جن کی معاشرے کو ضرورت ہے، اور اتنی ہی مقدار میں ان کی پیداوار ہوگی جتنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے واقعتاً درکار ہے، اس کو ترجیحات کا تعین کہتے ہیں۔

وسائل کی تخصیص کا تعلق ترجیحات کے تعین سے ہے، لہٰذا رسد وطلب کے قوانین جس طرح ترجیحات کا تعین کرتے ہیں، اسی طرح وسائل کی تخصیص کا عمل بھی سرانجام دیتے ہیں، نتیجتاً ہر مارکیٹ کی طلب کو پورا کیا جاسکے اور اسے زیادہ منافع حاصل ہو جائے۔ جب کہ آمدنی کی تقسیم کے بارے میں سرمایہ دارانہ نظام کا کہنا ہے کہ عواملِ پیدائش: زمین، محنت، سرمایہ اور آجر یا تنظیم کے درمیان آمدنی کی تقسیم کا عمل انجام پائے گا، بایں طور کہ زمین والے کو کرایہ، محنت کرنے والے کو اجرت، سرمایہ فراہم کرنے والے کو سود اور آجر جو اس عملِ پیدائش کا اصل محرک ہے اُسے منافع دیا جائے، اور عواملِ پیدائش کے معاوضے کا تعین بھی طلب ورسد کی بنیاد پر ہوگا کہ جس کی طلب جس قدر زیادہ ہوگی اس کا معاوضہ بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔

باقی رہی بات ترقی کی، تو طلب ورسد کے قوانین کی بنیاد پر تاجر جب زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا طلب گار ہوگا تو لازماً وہ نئی سے نئی چیزیں، بہتر سے بہتر انداز میں مارکیٹ میں لائے گا، جس کے نتیجے میں ترقی کا عمل بھی وجود میں آجائے گا، اور معیشت ترقی پذیر ہوگی۔

سرمایہ داریت اور جمہوریت کا اشتراک

یورپ میں معاشی تبدیلیوں کے ساتھ سیاسی میدان میں بھی ایک ہمہ گیر انقلاب انگڑائیاں لے رہا تھا، آزاد فکر طبقہ شخصی حکومتوں کو ختم کر کے جمہوری حکومتیں قائم کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف سرمایہ دار لوگ بھی

حکومت کی ان قانونی پابندیوں سے بیزار تھے، جوان کی نفع اندوزی کو پابند کررہی تھیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انیسویں صدی میں یورپ کے اکثر ممالک جمہوری حکومتوں کے زیر اثر آ گئے۔ معاشی وسائل اور ملکی دولت پر قابض ہونے کی وجہ سے نئی جمہوری حکومتیں سرمایہ داروں کے قبضے میں آ گئیں۔ یوں یورپ کی کل آبادی دوحصوں میں بٹ گئی، ایک طرف گنے چنے سرمایہ دار جو پوری دولت اور تمام وسائل پیداوار کے مالک تھے اور عنانِ حکومت بھی ان کی ذاتی اغراض کے تابع ہوچکی تھی۔ دوسری طرف وہ بے یار ومددگار مفلس لوگ تھے جو انتہائی شدید محنت ومشقت کے باوجود بھی زندگی کی بنیادی ضروریات کو ترس رہے تھے۔ مزدوروں اور محنت کشوں کا طبقہ اپنے معاشی حالات سے تنگ آ گیا اور ایک عرصہ تک سرمایہ داروں کے ظلم کی چکی میں پسنے کے بعد انہوں نے اپنے حقوق منوانے کے لئے مزدور انجمنیں قائم کرنا شروع کردیں۔ یورپ کے بعض مفکرین بھی اس تحریک کی حمایت کرنے لگے، یوں یہی تحریک رفتہ رفتہ اشتراکیت کی بھیانک صورت میں ڈھلتی چلی گئی۔ سوشلٹ علمبرداروں نے مزدوروں اور محنت کشوں کے جذبات کو ہڑتالوں، توڑ پھوڑ، قانون شکنی اور تشدد میں استعمال کرکے متعدد ممالک میں انقلاب برپا کرکے سوشلٹ نظام نافذ کردیا۔ (جاری ہے)

AL-HAQ GIRLS COLLEGE

الحق گرلز کالج سائنس کامرس آرٹس

دینی وباپردہ ماحول میں بچیوں کو انٹرمیڈیٹ اور گریجویشن تعلیم کا بہترین ادارہ

خصوصیات

ماہر وشفیق معلمات کی زیر نگرانی تعلیم وتربیت	جدید اور معیاری کمپیوٹر اور سائنس لیب
مستقبل میں گریجویشن، ماسٹرز کی سہولت	علماء کرام اور تعلیمی ماہرین کی زیر سرپرستی
بہترین محل وقوع	کشادہ وہوادار، باپردہ کلاسز
ٹرانسپورٹ کی سہولت	

داخلے جاری ہیں

مئی تا اگست ماہانہ فیس میں 100% رعایت*

ST-5/1 بلاک 1 گلشن اقبال، عقب پریکٹیکل سینٹر، نزد مسجد قباء، کراچی، فون نمبر 021-34982698
info@alhaqcollege.org, www.alhaqcollege.org

توبہ کے فوائد وثمرات

مفتی محمد شعیب
جامعہ الصفہ کراچی

انسان کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی اور یہ عقل' غور وفکر، سوچ اور جستجو سے انسان کو رہنمائی کے لئے نت نئے طریقے سکھاتی ہے۔اور بار بار اللہ تعالیٰ انسان کو غور وفکر کی دعوت بھی دیتے ہیں۔اگر دیکھا جائے تو دنیا کی تمام چیزیں چاہے بحری ہوں یا برّی، جماداتی ہوں یا نباتاتی، حیوانی ہوں یا جناتی، غرض ہر چیز پر غور کیا جائے تو جواب آتا ہے کہ یہ سب چیزیں حضرت انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔مختلف کیفیتوں اور حالتوں سے بدلتی ہوئی یہ چیزیں بالواسطہ یا بلا واسطہ انسان ہی کے لئے مسخر کی گئی ہیں اور یہ کارخانۂ قدرت ازل سے چلا آرہا ہے اور ابد تک انسان کو نفع ہی دیتا رہے گا۔غرض اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو انسان کے لئے قربان کر دیا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اپنے پیدا کرنے والے رب کے لئے کوئی قربانی دے سکتا ہے؟ اسی کو قرآن مجید بڑے پیارے انداز میں مخاطب ہو کر انسان سے یہ سوال کرتا ہے کہ:

”یَا أَیُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوَّاکَ فَعَدَلَکَ فِیْ أَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَکَّبَکَ“۔ (الانفطار:۶،۷،۸)

ترجمہ: ”اے انسان! تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈالا؟ اس رب کریم کے بارے میں جس نے تمہیں پیدا کیا اور ایک اچھی شکل وصورت میں ڈھال دیا“۔

انسان کو چاہئے کہ وہ غور وفکر کرے کہ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا تعلق ہے؟ جو رب مجھے ہر وقت رزق عطا کرتا ہے، جو میری ضروریات کا کفیل ہے، جو زمین وآسمان، دن رات، سورج وچاند کے نظاموں کو میرے لئے مسخر کرتا ہے، اس رب کے ساتھ میں نے کتنی وفاداری دکھائی ہے؟

ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہئے، اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکنا چاہئے، دل کی حالت کو سامنے رکھنا چاہئے۔دلی کیفیات کے جانچنے کو صوفیا کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں اور یہی مراقبہ انسان کو توبہ سکھاتا ہے۔اور توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے اور فرمایا گیا:

''یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحاً عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّئَاتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ ''۔ (التحریم:۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! آجاؤ توبہ کی طرف اور سچے صاف دل سے توبہ کرلو، امید ہے تمہارا رب تمہارے گناہوں کو مٹا کر تمہیں بہتی نہروں والی جنت میں داخل کرے گا''۔

اس رحیم رب سے مانگو تو سہی، پھر دیکھو وہ کیسے عطا کرتا ہے! یہ وہ بادشاہ ہے جو مانگنے والے سے خوش اور نہ مانگنے والے سے ناراض ہوتا ہے۔ تاریخ میں ذرا اس واقعہ کو بھی پڑھئے کہ جب حضرت حسن بصریؒ کے زمانہ کا ایک نوجوان اپنے باپ کی چھوڑی ہوئی بہت بڑی دولت میں نازاں ہوکر شراب و کباب کی مستی میں مبتلا اپنے وقت کا بہت بڑا زانی اور چور تھا۔ اس کی عیاشی، مستی، ظلم و بربریت، شہوت پرستی، چوری اور ڈاکہ کے قصے زبان زد عام تھے۔ مگر اس کی ماں ایک بہت ہی نیک اللہ والی خاتون تھیں، وہ ہر وقت اپنے اس بیٹے کو سمجھاتی تھیں کہ بیٹا! ان گناہوں کی لت میں مت پڑو، بیٹا! زنا چھوڑ دو، بیٹا! شراب نہ پیو، بیٹا! توبہ کرلو، نیکی کی طرف آجاؤ اور میرے ساتھ چلو، ہم حضرت حسن بصریؒ کے پاس جاکر تمہاری توبہ کروالیں۔ وہ نیک بوڑھی اماں بہت منتیں سماجتیں کرتی رہیں، مگر وہ بیٹا باز نہ آیا۔ زمانہ گزرتا رہا، آخر کار بیٹا ایک انوکھے مرض میں مبتلا ہوگیا اور موت و حیات کی کشمکش میں آگیا، جب اُسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی اور جانے کا وقت یقینی طور پر قریب آگیا، اب اُسے احساس ہوا اور ندامت ہوئی، اب چارپائی پر لیٹا ہوا ہے، چل پھر نہیں سکتا، زندگی کی آخری ساعتوں میں پکارتا ہے: اے ماں! تو ساری زندگی حسن بصریؒ کا نام لیتی تھی، میں اب چل نہیں سکتا، خدارا! آپ چلی جائیں اور حضرت حسن بصری کو ادب کے ساتھ عرض کردیں کہ میں اب چل نہیں سکتا، میں آخری وقت میں ہوں، تھوڑا سا وقت نکال کر ہمارے گھر تشریف لے آئیں اور میری توبہ کروادیں، مجھے تو توبہ کا طریقہ بھی نہیں آتا۔ یہ بوڑھی ماں کانپتے جسم کے ساتھ حضرت حسن بصریؒ کے دربار میں پہنچی اور یہ درخواست پیش کی۔ حضرت حسن بصریؒ نہایت شفیق، محبت اور درد دل رکھنے والے بزرگ تھے، مگر اس وقت انہوں نے اپنا درس پڑھانے کے عذر کی وجہ سے اس نوجوان کے پاس آنے سے انکار کردیا۔ ماں روتی دھوتی واپس آگئی اور کہا: اے بیٹے! تو بہت بدنصیب اور بدبخت ہے، حسن بصری جیسا بزرگ اور ولی بھی اب تیرے پاس آنے کو تیار نہیں۔ نوجوان یہ سن کر بے انتہا رو پڑا اور پھر اپنی بوڑھی ماں کو مخاطب ہوکر کہا کہ قبل اس کے کہ میری روح قبض ہوجائے، میری دو وصیتیں سن لو اور قسم دیتا ہوں کہ اس وصیت پر عمل کروگی:

پہلی وصیت: یہ ہے کہ جب میری روح پرواز کرجائے تو اپنے دوپٹہ سے میری گردن پر پھندا لگادینا اور پھر اس پھندے سے میری لاش کو محلہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹنا، تاکہ میرے ساتھ چوری، زنا اور ڈاکہ میں شریک دوستوں کو میرے انجام کا پتہ چل جائے اور میری ذلت کا یہ منظر ان کے سامنے آجائے،

شاید میری لاش کے ساتھ ایسے عبرت ناک سلوک کو دیکھ کر کسی کو توبہ کی توفیق ہو جائے۔

دوسری وصیت: یہ ہے کہ میرے انتقال کے بعد میری قبر مسلمانوں کے قبرستان میں نہ بنانا، میں اللہ کی نظر میں بہت بدترین آدمی ہوں اور اللہ کا غضب مجھ پر شدید ہوگا۔ میں چاہتا ہوں اس غضب کی وجہ سے میرے اوپر اترنے والا عذاب میرے اوپر ہی رہے، کہیں ایسا نہ ہو میری وجہ سے میرے پڑوسی قبر والوں کو بھی تکلیف پہنچے۔

ان دو وصیتوں کے بعد اس نوجوان نے دھاڑیں مارتے ہوئے نظریں آسمان کی طرف کیں اور ہاتھ اُٹھائے معافیاں مانگتا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اُس کی گال پر ٹپک رہے تھے، ابھی ہاتھ اُٹھائے ہی ہوئے تھے کہ اس کی روح پرواز کرگئی۔ یوں یہ نوجوان اس دنیا سے کوچ کر گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کی ماں دوبارہ حضرت حسن بصریؒ کے دربار میں گئی اور عرض کیا کہ: حضرت! جس بیٹے کے لئے میں آپ کے پاس آئی تھی، اب وہ جا چکا ہے، اس کا انتقال ہوگیا ہے، اب تو آپ آجایئے، میرے بیٹے کا جنازہ پڑھا دیجئے، شاید آپ کے جنازہ پڑھانے کی وجہ سے اللہ کو رحم آجائے اور میرے اس بدنصیب بیٹے کی بخشش ہو جائے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ اُس وقت حضرت حسن بصریؒ کی شخصیت پر جلالی کیفیت طاری تھی۔ یہ بوڑھی ماں حضرت حسن بصریؒ کی منتیں کررہی تھی، مگر پھر بھی حضرت حسن بصریؒ آنے کو تیار نہیں، چنانچہ بوڑھی اماں دوبارہ واپس آگئی اور بیٹے کی لاش پر کفن ڈالے رو رہی تھی کہ اچانک دروازہ پر دستک ہوئی، دروازہ کھلتا ہے، حضرت حسن بصریؒ گھر میں داخل ہوتے ہیں اور پوچھتے ہیں: کہاں ہے تمہارا بیٹا؟ کہاں ہے وہ ولی؟ کہاں ہے وہ بزرگ؟ اور پھر فرمایا کہ جب تم ابھی ملنے آئی تھی، میں نے آنے سے انکار کیا، اسی وقت میں کچھ دیر کے لئے لیٹا اور خواب دیکھا کہ اللہ کی طرف سے پکار آرہی ہے: ''اے حسن! تم میرے کیسے دوست ہو؟ تم نے میرے ولی کا جنازہ پڑھانے سے انکار کیا ہے؟ وہ تو میرا دوست ہے، سُن اے حسن! اس کو میں نے بخش دیا، اس کی مغفرت ہو چکی ہے۔''

حضرت حسن بصریؒ آگے بڑھے، خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا، اپنے ہاتھ سے کفن دیا اور اپنے ہاتھوں سے تدفین کی۔

تاریخ میں فضیل بن عیاضؒ کے واقعہ کو بھی پڑھئے! یہ اپنے وقت کے بہت بڑے ڈاکو تھے اور ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ مائیں اپنے بچوں کو فضیل کے نام سے ڈرایا کرتی تھیں کہ سو جاؤ، ورنہ فضیل آجائے گا۔ قصوں اور کہانیوں میں انہیں ایک خطرناک اور پراسرار شئے سمجھا جاتا تھا۔ اپنی عادت کے مطابق ایک دن کسی گھر ڈاکہ مارنے پہنچے، رات کا آخری حصہ تھا، گھر میں ایک اللہ کا بندہ قرآن پاک کی تلاوت کررہا تھا:

’’أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ‘‘. (الحدید:۱۶)

ترجمہ: ’’کیا ایمان والوں کے لئے ابھی بھی وہ وقت نہیں آپہنچا کہ ان کے دل اللہ کے خوف سے ڈر جائیں اور جو حق نازل ہوا ہے اس کے آگے سر تسلیم خم کردیں؟‘‘۔

کان میں اس آیت کا پڑنا ہی تھا، بس اسی لحہ دل کی کایا پلٹی، ڈاکہ چھوڑا اور زور دار آواز سے کہا: ’’بلی یا رب ! قد آن ‘‘ ترجمہ: ’’ہاں اے میرے رب! اب وہ وقت آہی گیا ہے‘‘۔

اُسی وقت سچی توبہ کی اور پھر یہی فضیلؒ آہستہ آہستہ تقویٰ میں آگے بڑھتے رہے اور بہت بڑے ولی بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ آج اولیاء کرام کی فہرست میں ایک بہت بڑا مقام اور مرتبہ حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ہے۔ خدا ان کی قبر پر لازوال رحمتیں نازل فرمائے۔ تاریخ میں ایسے توبہ کرنے والوں کے قصے کثرت کے ساتھ مذکور ہیں۔

نبی اکرم ﷺ اکثر نوجوانوں کے گروہوں کو مخاطب ہو کر انہیں توبہ کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ حدیث مشہور ہے:

’’التائب من الذنب كمن لا ذنب له‘‘. (ابن ماجہ)

ترجمہ: ’’گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں‘‘۔

اور جوانی کی توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ علامہ رومیؒ فرماتے ہیں کہ توبہ جوانی کی عمر میں کر لیجئے، بڑھاپے کی عمر میں توبہ کرنا کمال نہیں ہے، علامہ رومیؒ اپنے شعر میں عجیب تشبیہ پیش کرتے ہیں:

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوهٔ پیغمبریست

یعنی ’’بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی متقی اور پرہیزگار بن جاتا ہے، جوانی میں توبہ کرو، کیونکہ جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے‘‘۔

انسان سے گناہ ممکن ہے، گناہ کے داعیے بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن ان گناہوں کے سامنے ڈٹ جانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے والے کو حدیث میں بہترین مؤمن قرار دیا گیا ہے۔

آیئے! عزم کیجئے! اپنے آپ کو گناہوں سے بچائیں گے، اپنے رب سے وفاداری کرتے ہوئے اور سچے دل سے توبہ کر کے اپنے ایمان کو مضبوط اور کامل بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆

عالم ربّانی کی رحلت

محمد اعجاز مصطفیٰ

۲۲ر رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲ر جون ۲۰۱۳ء بروز اتوار بعد نماز مغرب عالم ربانی، میدانِ تصوف کے شہسوار مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھیؒ کے خلیفہ مجاز اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ کے شاگرد وخلیفہ مجاز، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ اور حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ کے فیض یافتہ اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحقؒ کے تربیت یافتہ وخلیفہ مجاز، جامعہ اشرف المدارس کراچی کے مؤسس وبانی، ہزاروں مریدین کے شیخ ومصلح، لاکھوں معتقدین ومتسبین کے ماویٰ ومرجع حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ تعالیٰ اس دنیا فانی کی ۹۰ر بہاریں دیکھنے کے بعد عالم فانی سے منہ موڑ کر عالم عقبیٰ کی طرف رحلت فرماگئے۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، إن للّٰہ ماأخذ ولہ ماأعطیٰ وکل شيء عندہٗ بأجل مسمّٰی۔

علماء کرام اور اہل قلوب صالحین کے قافلے بڑی تیزی کے ساتھ جانب عقبیٰ رواں دواں ہیں، دنیا کی تاریکی میں بڑی شدت اور تیزی سے اضافہ ہورہا ہے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کا منظر آنکھوں کے سامنے آرہا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یذھب الصالحون الأول فالأول ویبقیٰ حفالۃ کحفالۃ الشعیر أو التمر لایبالیھم اللّٰہ بالۃ". (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب ذھاب الصالحین، ج:۲،ص:۱۸۰۱، ط:الطاف اینڈ سنز)

ترجمہ: "نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے چلے جائیں گے اور پیچھے انسانوں کی تلچھٹ رہ جائے گی، جیسے جو یا کھجور کی تلچھٹ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوگی"۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا وجود سامی سایۂ رحمت اور چشمۂ فیض تھا، جس سے نہ جانے دنیا کے کونے کونے میں کتنی مخلوقِ خدا سیراب ہوتی تھی۔ ان کی زندگی واقعۃً ایک عارف باللہ کی زندگی تھی، آپ کے فیض یافتہ اور صحبت یافتہ دور سے پہچانے جاتے تھے۔ اللہ

تعالیٰ نے حضرت والا کی ذات میں بہت سے کمالات اور خصائص ودیعت فرمائے تھے۔

حضرت حکیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ میں محبت کا عنصر غالب تھا، آپؒ کا خمیر محبت کی مٹی سے گوندھا گیا تھا اور شیخ کامل کی نظر کیمیا اثر کی کرامت سے حسن ازل کا عشق ان کے رگ وپے میں سرایت کرگیا تھا، وہ کشتۂ محبت ہی نہیں سراپا محبت بن گئے تھے۔ وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے نوجوان وعمر رسیدہ حضرات وخواتین کی اس طرح تربیت فرماتے کہ وہ عشق مجازی کے تعفن وبدبو اور سڑاند کے ڈھیروں سے کوسوں دور بھاگ کر عشق حقیقی کے متوالے بن جاتے تھے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ راقم الحروف حضرت والا کی زیارت وملاقات کے لئے آپ کی خانقاہ جامعہ اشرف المدارس گلشن اقبال گیا ہوا تھا، دیکھا کہ حضرت والا کی خدمت میں دو نوجوان بیٹھے ہیں، جو چہرے مہرے اور وضع قطع سے کسی کالج یا یونیورسٹی کے طالب علم لگتے تھے، حضرت والا نے ان کی تربیت کرتے ہوئے انہیں فرمایا کہ: ''تم اپنے سر کے بالوں کو استرے سے صاف کرادو، تمہارا سر ایسے لگے گا جیسے کسی مرنے والے کی قبر پر لوٹا پڑا ہو، جب تم ایسا کرلو گے تو پھر کوئی بھی حسینہ اور دوشیزا تمہاری طرف منہ پھیر کر نہیں دیکھے گی، اس طرح تم بہت سے گناہوں سے بچ جاؤ گے''۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی ہر مجلس اور ہر محفل بجائے خود درسِ عبرت تھی، آپؒ کی مجلس میں محبت کی خوشبو مہکتی تھی اور آپؒ کے بیانات میں اکثر وبیشتر محبت ہی زیر بحث آتی۔ حضرت تھانویؒ کا ملفوظ ہے کہ سارے سلوک کا حاصل صرف ایک چیز معلوم ہوتی ہے اور وہ محبت ہے۔ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیطان میں تین عین تھے، مگر چوتھا عین نہیں تھا، اس لئے مارا گیا۔ وہ عالم تھا اور اتنا بڑا عالم کہ معلم ملکوت کہلاتا تھا۔ عابد تھا اور ایسا عابد کہ آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا۔ وہ عارف تھا اور ایسا عارف کہ عین غضب الٰہی کے وقت بھی جب کہ اُسے راندۂ درگاہ کیا جارہا تھا، دعا کرنے لگا: ''رَبِّ فَأَنْظِرْنِيْ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ'' کیونکہ جانتا تھا کہ یہ حالت بھی قبولت دعا سے مانع نہیں۔ لیکن ظالم میں عشق نہیں تھا، اگر اسے یہ چوتھا عین بھی حاصل ہوجاتا اور اسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی تو حکم الٰہی سے سرتابی نہ کرتا، جب حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فوراً سجدہ میں گر جاتا، کیونکہ محبت مصلحتیں اور علتیں تلاش نہیں کیا کرتی، محبت تو محبوب کے حکم پر مر مٹنے کا نام ہے، پس جب تک عشق ومحبت نہ ہو، نہ علم کا اعتبار ہے، نہ عبادت کا، نہ معرفت کا۔

حضرتؒ کے مختصر حالاتِ زندگی گلشن اختر، شمارہ نمبر:۲، ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء سے لئے گئے ہیں، جو حضرت مولانا حکیم محمد مظہر صاحب نے حضرت والا کی تعزیت کے موقع پر اپنے دست اقدس سے ہمیں عنایت فرمائے:

''ولادت باسعادت

ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع پرتاب گڑھ کی ایک چھوٹی سی بستی (اٹھیہ) کے ایک معزز

گھرانے میں عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کی ولادت باسعادت ہوئی، سنِ ولادت ۱۹۲۸ء ہے۔ آپؒ کے والد ماجد کا نام محمد حسین صاحب تھا، آپ کے والد ایک سرکاری ملازم تھے، عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ اپنے والد کے اکلوتے فرزند ہیں۔

زمانۂ طفولیت:

بچپن ہی سے عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ پر آثارِ جذب کا ظہور ہونے لگا تھا۔ بچپن ہی سے محبت الٰہیہ کا ظہور ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ مادرزاد ولی ہیں، کچھ اور ہوش سنبھالنے کے بعد نیک بندوں کی محبت اور بڑھ گئی اور ان کی وضع قطع دیکھ کر بہت خوشی ہوتی اور ہر مولوی، حافظ اور ڈاڑھی والے کو محبت سے دیکھتے۔

ابتدائی تعلیم:

درجۂ چہارم تک اردو تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے اپنے والد صاحب سے ''علم دین'' حاصل کرنے کی درخواست کی اور فرمایا کہ مجھے دیوبند بھیج دیا جائے، لیکن والد صاحب نے مڈل اسکول میں داخل کرادیا۔ درجۂ ہفتم کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کے والد گرامی نے ''علم طب'' کے حصول کے لئے طبیہ کالج الٰہ آباد میں داخل کرادیا اور کہا کہ علم طب کے بعد عربی درسیات کی تعلیم حاصل کرنا۔

تحصیل علوم دینیہ وعربی درسیات

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مدرسہ بیت العلوم میں دینی تعلیم حاصل کی، بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینا چاہئے، لیکن حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ نے انکار فرمادیا کہ وہاں مجھے اپنے شیخ کی صحبت نہیں ملے گی، جو علم کی روح ہے۔ فرمایا کہ: میرے نزدیک علم درجہ ثانوی اور اللہ تعالیٰ کی محبت درجہ اولیٰ میں ہے۔ یہاں علم کے ساتھ مجھے شیخ کی صحبت نصیب ہوگی، جس کی برکت سے مجھے اللہ تعالیٰ ملے گا۔

اسی کی برکت ہے کہ آج بڑے بڑے فضلاء دیوبند حضرت والا کے حلقۂ ارادت میں ہیں۔ حضرت والا نے ''درسِ نظامی'' کے نصاب کی چار سال میں تکمیل کی اور صحیح بخاری شریف کے چند پارے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ سے بھی پڑھے، جو کہ ایک واسطہ سے حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد تھے۔

بیعت وارادت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک مشہور وعظ ''راحۃ القلوب''

کے مطالعے کے بعد اس سلسلے سے بہت مناسبت اور محبت پیدا ہوگئی اور حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بیعت کے لئے خط لکھا، وہاں سے جواب ملا کہ اس سلسلے کے کسی اور بزرگ سے رجوع فرمائیں۔

ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ حضرت تھانویؒ کی رحلت کی خبر ملی، حضرت تھانویؒ کی رحلت کے بعد سلسلۂ تھانوی کے کسی ایسے شیخ اور مصلح کی تلاش میں رہے جو سراپا دردِ عشق ومحبت اور سراپا سوختہ جان ہو۔ اسی دوران الٰہ آباد میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کے سلسلے کے ایک بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صبح وشام ان کی مجالس میں آنے لگے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کو علم ہوا کہ پھولپور میں مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلیفہ حضرت مولانا عبدالغنی مقیم ہیں، تو حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کو ان کی طرف دل میں زیادہ مناسبت معلوم ہونے لگی۔ حضرت مولانا عبدالغنی رحمہ اللہ کو اپنا مرشد ومصلح منتخب کرنے کا فیصلہ کیا اور عیدالاضحیٰ کے قریب والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر پھولپور روانہ ہوگئے اور عین عیدالاضحیٰ کے روز پھولپور پہنچے۔

اس وقت حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ ''تلاوتِ قرآن کریم'' میں مصروف تھے، جب حضرت پھولپوریؒ متوجہ ہوئے تو عرض کیا کہ میرا نام ''محمد اختر'' ہے، پرتاب گڑھ سے اصلاح کے لئے حاضر ہوا ہوں، پھر اپنے شیخ کے ساتھ ایسے جڑے کہ سترہ سال حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کی خدمت میں گزار دیئے۔

خلافت واجازتِ بیعت

اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے وصال کے بعد حسب وصیت حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور دوسال بعد خلافت سے سرفراز فرمائے گئے۔

تصانیف وتالیفات

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحبؒ کی ۱۰۶ ار سے زائد تصانیف ہیں اور مواعظ لاکھوں کی تعداد میں عربی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، فارسی، ترکی، بنگالی، پشتو، گجراتی، براہوی، سندھی، بلوچی، ہندی، تامل (سری لنکا) جرمن، پرتگالی، چائینیز، زولو اور ان کے علاوہ بھی مختلف پندرہ زبانوں میں شائع ہوچکے ہیں۔

چند مشہور تصانیف

معرفتِ الٰہیہ، براہین قاطعہ، معارفِ مثنوی، روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، کشکولِ معرفت، فیضانِ محبت، مواعظِ حسنہ جو تقریباً چھ جلدوں سے زائد تک پہنچ چکی ہے، اس کے علاوہ اور تالیفات وتصنیفات

موجود ہیں۔

الحمد للہ! آج یہ خانقاہ پورے عالم کا مرکز ہے اور متوسلین وطالبین سعودی عرب، عرب امارات، افریقہ، امریکہ، برطانیہ، بنگلہ دیش، کینیڈا اور پاکستان کے مختلف علاقوں سے اصلاح وتزکیہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور حضرت کی صحبت وارشادات عالیہ سے مستفید ہوکر فائز المرام ہوتے ہیں۔''

حضرت حکیم اختر صاحبؒ قیامِ پاکستان کے چند سال بعد ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں پاکستان آئے اور ناظم آباد نمبر:۴ میں تقریباً دو دہائیوں تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں ''خانقاہ امدادیہ اشرفیہ'' گلشن اقبال کراچی میں منتقل ہوئے اور آخری وقت تک وہیں قیام پذیر رہے۔ مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ نے ایک بڑا دینی ادارہ ''جامعہ اشرف المدارس'' کے نام سے سندھ بلوچ سوسائٹی گلستان جوہر میں قائم کیا، جس میں ۵۰۰۰ سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہیں اور کراچی میں اس کی ۱۰ سے زیادہ شاخیں ہیں۔

حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ کی نگرانی میں ''الاختر ٹرسٹ'' قائم ہوا، تاہم بعد ازاں امریکا نے جن چند اداروں پر پابندی عائد کی ان میں ''الاختر ٹرسٹ'' بھی شامل تھا۔ دنیا بھر میں حضرت والاؒ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی بڑی تعداد موجود ہے، جن میں جنوبی افریقہ کے معروف ڈاکٹر عبداللہ آملہ اور ہاشم آملہ بھی شامل ہیں۔

حضرت مولانا حکیم اختر صاحبؒ پر ۲۸ رمئی ۲۰۰۰ء کو فالج کا حملہ ہوا، جس کے بعد سے وہ علیل چلے آرہے تھے۔ علالت کے دوران ہی بروز اتوار بعد نمازِ مغرب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

حضرتؒ کے خلفاء کی طویل فہرست ہے جو پاکستان کے علاوہ، سعودی عرب، بھارت، بنگلہ دیش، امریکا، برطانیہ، کینیڈا، جنوبی افریقہ اور برما سمیت دنیا کے کئی ممالک میں موجود ہیں۔ حضرتؒ نے دین اسلام کی تبلیغ کے سلسلے میں کئی ایک ممالک کا دورہ کیا اور اخیر عمر میں یہ سلسلہ عدمِ صحت کی بنا پر موقوف ہوگیا تھا۔ حضرت حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے سوگواروں میں ایک بیٹا، ایک بیٹی، ہزاروں شاگرد اور لاکھوں عقیدت مندوں اور متوسلین کو چھوڑا ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کے انتقال کی خبر جامعہ پہنچی تو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم، نائب رئیس حضرت مولانا سید محمد سلیمان بنوری دامت برکاتہم اور جامعہ کے اساتذہ کرام نے حضرت مولانا حکیم محمد اختر نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال کے غم کو اپنا غم اور حضرتؒ کی رحلت کو امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے حضرت رحمہ اللہ کے لئے ترقی درجات کی دعا فرمائی۔ آپؒ کی وصیت کے مطابق آپؒ کی نماز جنازہ آپؒ کے بیٹے حکیم محمد مظہر صاحب نے پڑھائی۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے حضرت مولانا امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا

سعید عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیق عارف صاحب، حضرت مولانا مفتی انعام الحق صاحب، حضرت مولانا فضل حق صاحب (ناظم ماہنامہ ''بینات'') اور راقم الحروف شریک ہوئے۔

بروز پیر صبح نو بجے آپؒ کی نماز جنازہ کا وقت مقرر کیا گیا تھا، لیکن آپؒ کے مریدین صبح کی نماز کے بعد سے ہی آپؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وقت مقررہ سے پہلے جامعہ، خانقاہ اور سوسائٹی کی آس پاس کی گلیاں ہجوم سے بھر چکی تھیں اور محتاط اندازے کے مطابق ایک لاکھ سے زائد لوگ آپؒ کی نماز جنازہ میں شریک ہوئے، جبکہ کثرتِ ہجوم سے خانقاہ کی طرف آنے والے تمام روڈ کھچا کھچ بھر چکے تھے، اور راستہ نہ ملنے کی بنا پر بہت سارے حضرات آپؒ کی نمازِ جنازہ میں شرکت سے محروم ہو گئے۔

نماز جنازہ کے بعد مقامی قبرستان میں آپؒ کی تدفین عمل میں آئی۔ رشد و ہدایت کا یہ امام ربانی اور میدانِ تصوف کا یہ شہسوار اپنی زندگی بھر کی حسنات ساتھ لے کر اپنے مریدین، متوسلین اور معتقدین کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مرحوم کی جملہ حسنات کو قبول فرما کر جنت الفردوس کا مکین بنائیں اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

آخر میں بینات کے باتوفیق قارئین سے التماس ہے کہ جہاں تک ہو سکے حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں کہ حضرت سے محبت وتعلق کا یہی تقاضا ہے۔

جامعہ کے استاذ مولانا محمد فاروق صاحب کو صدمہ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے استاذ اور ماہنامہ ''بینات'' کے کمپوزر حضرت مولانا محمد فاروق صاحب کے والد محترم جناب محمد صدیق الرحمٰن رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲؍جون ۲۰۱۳ء بروز اتوار تقریباً اَسّی (۸۰) سال کی عمر میں بقضائے الٰہی فوت ہو گئے ہیں۔

باتوفیق قارئینِ ''بینات'' سے اُن کے لئے ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

☆☆☆

وٹامن ’’ای‘‘ کی حفاظت کے لئے

جیلاٹن سے بنے کیپسول کا استعمال

مولوی محمد اسد اللہ

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

وٹامن ’’E‘‘ بناتا تی ہے، پودوں سے حاصل کرنے کے بعد اُسے کیپسول میں محفوظ کرلیا جاتا ہے، چونکہ کیپسول نما خول (جس کی ساخت میں جیلاٹن شامل ہے) کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے کہ اُسے کسی جانور کے اجزاء سے بنایا جاتا ہے یا کسی اور چیز سے۔ کیا یہ وٹامن ’’E‘‘ جیلاٹن کے بنے کیپسول سے نکالنے کے بعد خارجی استعمال یعنی جلد پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ مستفتی: محمد عبداللہ

الجواب ومنه الصدق والصواب

وٹامن ’’E‘‘ جب پودوں سے حاصل شدہ سیال مادہ ہے تو وہ پاک ہے، جس کے قابل استعمال ہونے میں فی نفسہٖ کوئی شبہ نہیں، جیسا کہ ’’فتاویٰ شامی‘‘ میں ہے:

’’حكم العصير حكم الماء، قال ابن عابدين:(قوله:حكم العصير حكم الماء) أي في أنه تزال به النجاسة الحقيقية وأنه إذا كان عشراً في عشر لاينجس بوقوع النجاسة كمافي الماء ...... في أنه لو عصر العنب وهو يسيل فأدمى رجله ولم يظهر أثر الدم لاينجس عند أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ كما في المنية عن المحيط‘‘. (رد المحتار على الدر المختار، باب الأنجاس، فصل في الاستنجاء، ۱/۳۴۹، ط:سعيد)

شبہ صرف اس میں ہے کہ حرام اشیاء سے بنی ہوئی جیلاٹن سے بنے ہوئے کیپسول میں محفوظ ہونے کی وجہ سے وٹامن ’’E‘‘ ناپاک اور ناقابل استعمال ہوا یا نہیں؟ کیونکہ نجس چیز دوسری چیز کے ساتھ مل جائے تو وہ چیز بھی نجس ہوجاتی ہے، جیسا کہ ’’بدائع الصنائع‘‘ میں ہے:

’’والماء يتنجس أو يفسد بمجاورة النجس، لأن الأصل أن ما جاور النجس نجس بالشرع‘‘. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فصل في بيان مقدار مايصير المحل به نجساً، ۱/۷۵، ط:سعيد)

لیکن چونکہ وٹامن ’’E‘‘ سیّال مادہ ہونے کے ساتھ ساتھ لزوجت اور چکنائی پر مشتمل ہوتا

ہے، اس لئے جیلاٹن کے خول سے نجاست کے اثر کو وٹامن ''E'' قبول کرتا ہے یا نہیں؟ یہ ایک ظنی بات ہے، تاہم بیرونی استعمال کی گنجائش ہے۔ مگر نماز و دیگر عبادات کے وقت جسم کے اس حصہ کو جہاں لوشن کا استعمال کیا ہو، دھولیا جائے، تاکہ یقینی طہارت حاصل ہو جائے۔

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''(وذبح ما لا یوکل یطهر لحمه وشحمه وجلده)حتی لو وقع فی الماء القلیل لایفسده، وهل یجوز الإنتفاع به فی غیر الأکل؟ قیل: لایجوز اعتباراً بالأکل وقیل: یجوز کالزیت إذا خالطه ودک المیتة والزیت غالب لایوکل وینتفع به غیر الأکل''. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الذبائح، ۵۱۳/۹، ط: دار المعرفة. و أیضاً، ۳۰۸/۶، ط: سعید)

فقط، واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	شعیب عالم	محمد اسد اللہ
		متخصص فقہ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ہر مسلمان کے لیے مفید کتب

نئی پیش کش

مستند مجموعہ وظائف

(جدید اضافہ شدہ، اُردو، انگریزی، سندھی)

مختلف سورتوں کے فضائل، مشکلات سے بچاؤ کے لیے مجرب وظائف، آسیب، جادو وغیرہ سے حفاظت کا نسخہ، منزل، گھروں میں لڑائی، جھگڑوں سے بچنے کے لیے مسنون عمل اور بیدار ہونے سے سونے تک کے مختلف مواقع کی مسنون دعائیں شامل ہیں۔

ایام حج میں حج ایڈیشن اور ماہ رمضان میں رمضان ایڈیشن کا مطالعہ مفید ہوگا۔

اسوہ رسول اکرم ﷺ

عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک تالیف جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری سنتوں کا بہترین گلدستہ ہے۔

عربی دعاؤں پر اعراب (زیر، زبر، پیش) لگائے گئے ہیں۔

صبح وشام کی دعائیں

یہ کتاب صبح وشام کی مسنون دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ یہ دعائیں ہر تنگی و پریشانی، ناگہانی بلاؤں اور آفتوں سے بچاؤ کے لیے بہترین قلعہ ہے۔

سیکنڈری اسکول کے طلبہ و طالبات کو بچپن میں یہ دعائیں یاد کروانا بہت مفید ہے۔

ای میل: info@mbi.com.pk ویب سائٹ: www.mbi.com.pk

مکتبہ بیت العلم

فدا منزل، نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔ فون: 92-21-34229445+ موبائل: 92-312-2645540+, 92-322-2583199+

17 الفضل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔ فون: 92-42-37112356+ موبائل: 92-321-4361131+

نقد و نظر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام

مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم۔ صفحات: ۶۷۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام، محلہ زاہد آباد حضرو، اٹک، پاکستان۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد جس شخصیت کے ذریعہ اطراف عالم میں پھیلا، وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپؒ نے صحابہ کرامؓ کی زیارت کرکے تابعیت کا شرف پایا۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنی خلافت کے دور میں شہر کوفہ کو آباد کیا تھا اور وہاں کی علمی سرپرستی کے لئے بحر العلم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ بھیجا۔ کوفہ اہل علم صحابہ کرامؓ سے آباد ہوتا رہا، تقریباً پندرہ سو صحابہ کرامؓ کا یہ شہر مسکن اور علمی سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ کوفہ کی اس علمی شہرت کی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے خلافتِ اسلامیہ کا مرکزی شہر دارالخلافہ ''کوفہ'' کو قرار دیا تو کوفہ کی علمی تابانیوں کو چار چاند لگ گئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کوفہ کے اہل علم اساتذہ کے علاوہ دوسرے اصحاب علم وفضل اور خاص کر حرمین کے اہل علم سے بھی استفادہ فرمایا، اسی لئے آپؒ کا فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی بلند مقام تھا، چنانچہ صدر الائمہ علامہ مکیؒ فرماتے ہیں: ''کان أبو حنيفة رحمه الله يروى أربعة آلاف حديث، ألفين لحماد وألفين لسائر المشيخة''...... ''امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار حدیثیں روایت کی ہیں، دو ہزار حماد کے طریق سے اور دو ہزار باقی شیوخ سے'' لیکن ہمارے دیار میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوگئے ہیں، جنہوں نے ان اکابر کی تنقیص، توہین اور تذلیل سے بڑھ کر ان کے اس علمی مقام کو بھی دھندلانے کی کوشش کی۔

اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ کے محدثانہ مقام کو براہین ودلائل سے مبرہن اور مدلل کرکے دکھلایا گیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ پر کئے گئے طعن اور لچر وبیہودہ اعتراضات کا بھی علمی انداز میں دندان شکن اور مسکت جواب دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہر عالم، مدرس، مقرر اور مصنف کے لئے پڑھنا اور لائبریری میں

اُسے رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی طرح علم تاریخ اور علم انساب سے شغف رکھنے والون کے لئے بھی یہ بے بہا علمی خزانہ ہے۔

تلامذۂ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام

مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم۔ صفحات: ۵۶۸۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام، محلّہ زاہد آباد حضرو، اٹک، پاکستان۔

یہودیوں نے بھیس بدل کر پہلے دین عیسوی کو خراب کیا اور پھر اپنی وہی پرانی روش اور پالیسی استعمال کی اور کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اسلام کے عینی شاہدین اور اولین گواہان پر تبرا بازی کو اپنا عقیدہ اور شعار بنالیا اور حضور اکرم ﷺ کی تربیت یافتہ (معدودے چند کے سوا) پوری جماعت کو ناکام اور نامراد قرار دے ڈالا۔ اُنہیں کی دیکھا دیکھی برصغیر میں دوسرا گروہ نمودار ہوا، جس نے فقہائے امت کو اپنے نشانہ پر رکھا۔ انہیں کذاب، متروک الروایۃ، ضعیف، غیر معتبر، وغیرہ قرار دیا اور ان محسنین امت کے کردار کو مجروح کرنے کی مذموم کوشش کی۔

ضروری تھا کہ جس طرح علماء امت نے دشمنانِ صحابہؓ کو علمی طور پر چاروں شانے چت کیا، اسی طرح دشمنانِ فقہاء کی جاہلانہ اور عامیانہ موشگافیوں کا مدلل اور مسکت جواب دینے کے ساتھ ان ائمہ امت کے محدثانہ مقام و مرتبہ کو واضح کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی زیدہ مجدہٗ کو، انہوں نے علمائے اہل سنت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے کتاب ’’تلامذۂ امام ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام‘‘ میں ان ائمہ امت کی ثقاہت اور جلالتِ شان کو نہ صرف ائمہ جرح وتعدیل کے مضبوط اور باسند حوالوں سے بیان کیا ہے، بلکہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ان ائمہ کے روشن کردار اور جلالت شان کو مجروح کرنے کے لئے جو بے سروپا روایتیں اور بے بنیاد حوالے پیش کئے ہیں، موصوف نے ان میں سے ہر ایک کا تحقیقی جواب بھی دیا ہے۔ کتاب بہت ہی معلومات افزا اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ امید ہے کہ علماء کرام اس کی قدر افزائی فرمائیں گے۔

رکعاتِ تراویح، ایک تحقیقی جائزہ

مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم۔ صفحات: ۴۳۱۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام، محلّہ زاہد آباد حضرو، اٹک، پاکستان۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب بیس رکعات تراویح کے ثبوت میں لکھی گئی ہے۔ مؤلف نے اپنی دوسری کتابوں کی طرح زیر بحث موضوع کے اثبات میں بھی تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

اس کتاب میں لفظ تراویح کی وجہ تسمیہ، تراویح کی ابتداء، تراویح عہد نبوی میں، تراویح عہد خلفائے راشدینؓ میں، تراویح کی تعداد، بیس تراویح پر اجماع صحابہؓ، بیس تراویح پر امت کا تواتر، بین رکعات تراویح کا ثبوت علمائے غیرمقلدین سے، غیر مقلدین کے چندشبہات کا جواب جیسے موضوعات کو کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔ کتاب کے بارہ میں اکابر علمائے دیوبند کی آراء بھی اس کتاب کے آغاز میں ثبت ہیں۔

صلوٰۃ تنجینا

مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی دامت برکاتہم۔ صفحات: ۶۷۲۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: خانقاہ امدادیہ، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم اسلام، محلہ زاہد آباد حضرو، اٹک، پاکستان۔

زیر تبصرہ کتاب جناب نثار احمد الحسینی مدظلہ نے درود تنجینا کے فضائل، فوائداور برکات کے بارہ میں مرتب کی ہے اوراس میں اس درود کی سند، نسخوں کا اختلاف، متن کی تشریح، اسم مبارک محمدؐ کے معنی، اسم محمدؐ میں لطیف اشارات، آلؓ پر درود کے فائدے، آلؓ کا مصداق، وغیرہ امور پر بحث کی ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائیں اورامت کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔

کتاب پر بقیۃ السلف استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی تقریظ اس کتاب کی ثقاہت کے لئے کافی دلیل ہے۔ کتاب کا کاغذ، کمپوزنگ، جلداور طبع ہر اعتبار سے عمدہ اور جاذب نظر ہے۔

جواہر درود وسلام

مفتی فیضان الرحمٰن کمال۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مبشر پبلشرز، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

مولانا مفتی فیضان الرحمٰن کمال صاحب جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ خلفائے راشدینؓ کے استاذ ومدرس ہیں۔ موصوف کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تحریر کا عمدہ ذوق عطا فرمایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ان کے اسی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

اس کتاب میں درود وسلام کے حیرت انگیز فضائل، درود وسلام کے ضروری احکام ومسائل، زیارتِ نبوی ﷺ کے لئے چوبیس وظائف، درود وسلام سے مقاصد کی کامیابی اور مشکل کا حل، مدینہ منورہ میں حاضری کے آداب اور درود وسلام کا نذرانہ جیسے عنوانات سے کتاب کو سجایا گیا ہے۔ یہ کتاب تالیف اور ترتیب شدہ کہلانے کی مستحق تو ہے، لیکن اس کو موصوف کی تصنیف کہنا محل نظر ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کوشش وکاوش کو مقبول فرمائیں اور امت کے لئے اس کو نافع بنائیں۔

مستقل علاج دیسی علاج ہی ہے۔ حکومت پاکستان سے رجسٹرڈ، مستند، ایوارڈ یافتہ، گولڈ میڈلسٹ دیسی معالج سے کامیاب علاج کرانے کے لئے رجوع کریں۔ ان شاء اللہ! بہت جلد فائدہ ہوگا۔

پندرہ روزہ کورسز اور اُن کی قیمت درج ذیل ھے

نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس	نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس	نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس
1	شوگر	1000	11	اسقاط	2000	21	مرگی	3000
2	موٹاپا	1000	12	پس بیل	2000	22	امراض مردانہ	3000
3	آنتوں کے زخم	1500	13	اٹھرا	3000	23	امراض زنانہ	3000
4	اپنڈکس	1500	14	کمی انتشار	3000	24	بے اولادی	3000
5	اولاد نرینہ	1500	15	گنٹھیا	3000	25	دل کے والو بند ہونا	5000
6	بول بستری	1500	16	رسولیاں	3000	26	یرقان	5000
7	درد گردہ ریاحی	1500	17	کیرا	3000	27	اعصابی کمزوری	5000
8	قولنج	1500	18	رعشہ	3000	28	کمی سپرم	10000
9	دل کا دورہ	2000	19	پھل بہری	3000	29	تھیلاسیمیا	10000
10	اعضاء کا سن ہونا	2000	20	تبخیر معدہ	3000	30	عنانت	20000

☆ کورسز بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رقم پہلے بھیجیں۔ ملاقات کرنے کے لئے فون پر پہلے وقت لے لیں

☆ شناختی کارڈ نمبر: 35103-1466875-3

☆ اکاؤنٹ نمبر، حبیب بینک عمر آباد: 13487900227901

☆ اکاؤنٹ نمبر UBL اومنی: 0345-7545119

☆ اکاؤنٹ نمبر میزان بینک پتوکی: 7001-0101053034

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی نئی منڈی حبیب آباد (واں رادھا رام) تحصیل پتوکی ڈویژن لاہور

موبائل نمبرز: 0345-7545119, 0321-7545119

ای میل ایڈریس: hakeemakarim_bhatti@yahoo.com